خلافت راشدہ کے دور تک دین اور ریاست یکجا تھے بعد ازاں ان میں تفریق پیدا ہو گئی

نظم و ضبط میں کمزوری دکھانے کی وجہ سے غزوۂ احد میں اللہ کی طرف سے عطا کردہ فتح شکست میں بدل گئی

جس حدیث میں التزام جماعت، ہجرت اور جہاد کا حکم دیا گیا ہے وہ آج ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے

التزامِ جماعت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عبادات میں بھی اجتماعیت کا پہلو موجود ہے

آج کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں، بلکہ ہر شخص اپنی رائے اور خیال کے مطابق چلنے پر مصر ہے

علامہ اقبال نے اپنی زندگی کے آخری دور میں بیعت کی بنیاد پر ایک اسلامی جماعت کے قیام کی تیاری مکمل کر لی تھی

مسجد دارالسلام باغِ جناح، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۲۶/ نومبر ۹۹ء کا خطابِ جمعہ

(مرتب : فرقان دانش خان)

گزشتہ کئی خطباتِ جمعہ سے اس موضوع پر گفتگو چل رہی ہے کہ ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اس ضمن میں، میں نے عرض کیا تھا کہ انسان پر جن ذمہ داریوں کا بوجھ ہے، وہ دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ ذمہ داریاں ہیں جن کے لئے محرک ہمارے نفس میں موجود ہے۔ مثلاً پیٹ کھانے کو مانگتا ہے۔ اس کے لئے ہر انسان بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اسی طرح جنسی جذبہ ہے۔ اگرچہ معلوم ہے کہ کہاں ایک پیٹ کا پالنا اور کہاں ایک خاندان کی پرورش کی ذمہ داری اٹھانا، لیکن شادی ہر کوئی کرتا ہے۔ تیسرا تقاضا یہ ہے کہ سر پر تحفظ کے لئے ہر کسی کو چھت کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کوئی جھونپڑی یا مکان بنانے کی سعی و جہد کرتا ہے۔ ان تینوں تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے کسی بیرونی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ ان تقاضوں اور ذمہ داریوں کو ہر شخص خود اپنے احساس کے تحت پورا کر رہا ہے۔ ہم اہل پاکستان کی بدقسمتی یہ ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی انہی تین چیزوں میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔

تین ہی ذمہ داریاں اور ہیں۔ ان کا تعلق ہمارے شعور، ذہن، سمجھ، نظریات اور خیالات سے ہے۔ ان میں کچھ ذمہ داریاں اُس ملک کے حوالے سے ہوتی ہیں جہاں وہ انسان رہ رہا ہے۔ دوسری ذمہ داریاں قوم و ملت کے حوالے سے ہوتی ہیں جبکہ تیسری ذمہ داریاں دین و مذہب سے متعلق ہیں۔ کسی قوم کے افراد اپنے ملک و وطن کے حوالے سے جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان سے غافل ہو جائیں تو ملک کمزور ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کسی کا غلام بن جائے یا کسی بڑی طاقت کا طفیلی ملک بن جائے گا۔

اسی طرح دین کے تقاضے اگر پورے نہ کئے جائیں تو وہ بھی سرنگوں ہو جائے گا۔ یعنی لوگ اگر اپنے اوقات، صلاحیتوں اور قوتوں کا کچھ حصہ ان تینوں چیزوں کے لئے وقف نہیں کریں گے تو اس کا لازمی نتیجہ ان کے زوال کی صورت میں نکلے گا۔ ہم اہل پاکستان کے لئے ان مؤخر

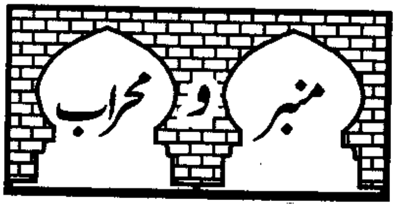

الذکر تینوں ذمہ داریوں کے اعتبار سے سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ ہمارے لئے یہ تینوں تقاضے ایک تقاضے میں مدغم ہو جاتے ہیں کہ ان تینوں کا تعلق اسلام سے ہے۔ ہمارا ملک اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ ہماری قومیت بھی اسلام ہے کہ ہم عالمی ملت اسلامیہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارا دین تو ہے ہی اسلام۔ گویا کہ ہم صرف اسلام کے تقاضے پورے کر کے ایک تیر سے تین شکار کر سکتے تھے لیکن ہم نے اسلام سے اعراض کر کے اپنی اس خوش قسمتی کو بدقسمتی سے بدل لیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج قوم اور وطن دونوں سطحوں پر ہم ذلیل خوار ہیں۔ رہا دین تو وہ بھی آج پوری دنیا میں سرنگوں ہے۔ بہرحال اگر ہم اب بھی اپنے دین کے تقاضے پورے کریں تو ملک و قوم ہی نہیں ہماری عالمی ملت اسلامیہ بھی سربلند ہو سکتی ہے۔

بحیثیت مسلمان ہم پر ہمارے دین کی طرف سے بھی تین ہی ذمہ داریاں یا فرائض عائد ہوتے ہیں۔ پہلا تقاضا عبادت رب ہے یعنی ہمہ تن، ہمہ وقت اللہ کی اطاعت اور بندگی کرنا۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ اس دین حق کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا جائے۔ تیسرے یہ کہ اس دین کو قائم بھی کیا جائے یعنی حق کا یہ حق ہے کہ وہ غالب ہو۔ اگر باطل غالب ہے تو یہ چیز اہل حق کی غیرت کے لئے چیلنج کا درجہ رکھتی ہے۔ ان پر لازم ہے کہ وہ حق کو غالب کرنے کے لئے جدوجہد کریں۔ ان فرائض دینی کی ادائیگی کی شرائط یا لوازم بھی تین ہیں۔ پہلا لازمہ ہے ایمان و یقین۔ اگر ہمیں ایمان حقیقی حاصل ہو گا تبھی دین کے یہ تقاضے پورے ہوں گے۔ محض زبانی کلامی ایمان سے یہ تقاضے پورے نہیں ہوں گے۔ خواہ آپ کتنا ہی کہہ سن لیں، یاد کرائیں، کوئی فائدہ نہیں۔ جب دل میں یقین پیدا ہو گا تبھی اللہ کی بندگی کا جذبہ پیدا ہو گا۔ تبھی انسان دین کی اشاعت اور اقامت کے لئے اپنی جان اور مال صرف کرے گا۔ دوسرا لازمہ جہاد ہے کہ دینی تقاضوں کی ادائیگی کے لئے مسلسل اور پیہم جہاد کی روش اختیار کی جائے۔ ان موضوعات پر میں سابقہ خطبات جمعہ میں مفصل گفتگو کر چکا ہوں۔

میرے آج کے خطاب جمعہ کا موضوع دینی تقاضوں کی ادائیگی کا تیسرا لازمہ "التزام جماعت" ہے۔ جماعت کے التزام کا جو اہتمام ہمارے دین میں ہے اس کا ہلکا سا تصور اس سے قائم کریں کہ نماز جیسی اہم عبادت کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ عبادت بڑا انفرادی سا فعل ہے۔ اللہ کے ساتھ لو لگانے کے لئے تنہائی درکار ہوتی ہے۔ کسی وقت بندے کا جی چاہتا ہے کہ طویل سجدہ کرے جبکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں یہ

نہیں ہو سکتا۔ آپ کو امام کے ساتھ اپنی نماز مکمل کرنا ہے۔ رمضان کے روزے میں بھی ایک اجتماعیت ہے کہ سب مسلمان ایک ساتھ روزے رکھتے ہیں۔ حج کی اجتماعیت تو ساری دنیا پر مبرہن ہے۔ اس سے دین اسلام میں جماعت کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ہاں عبادات کے لئے بھی جماعت کا اہتمام ہے۔ عام حالات میں بھی اسلام جماعتی زندگی پر زور دیتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ سے ایک حدیث مروی ہے حضور ﷺ نے فرمایا "اگر تم میں سے تین آدمی سفر پر نکلیں تو ان پر لازم ہے کہ ایک کو امیر بنائیں"۔ گویا امیر کے تعین کے بغیر جو سفر کیا جائے گا وہ غیر مسنون ہو گا۔ امیر کو مشورہ تو دیا جاسکتا ہے لیکن فیصلہ اس کا ہو گا۔ اور جب تک وہ شریعت کے دائرے میں رہ کر کوئی حکم دیتا ہے' آپ کو اس کی اطاعت کرنا ہو گی۔ اگر اس فرمان نبوی ﷺ پر عمل نہیں ہو گا تو یہ ہمارے مشاہدے میں ہے کہ سفر کے دوران لوگ چھوٹے چھوٹے معاملات پر جھگڑتے ہیں۔ اگر امیر ہو گا تو غالب امکان ہے کہ ایسی صورت پیش نہیں آئے گی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا یہ مزاج ہے کہ یہاں عبادات ہی نہیں معاملات میں بھی اجتماعیت اختیار کرنے کی تاکید ہے۔

قرآن میں سورۂ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں تقویٰ کے تاکیدی حکم کے بعد اگلی آیت میں اجتماعیت کی تلقین کی گئی ہے۔ فرمایا: "اے ایمان والو' اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھنا ہرگز موت نہ آئے مگر فرمانبرداری کی حالت میں اور سب مل جل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں مبتلا نہ ہو"۔ دیکھئے یہاں اجتماعیت پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ سورۂ آل عمران ہی کی آیت نمبر ۱۰۵ میں فرمان خداوندی ہے۔ "دیکھو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ کیا (فرقوں میں بٹ گئے) اور اختلافات میں مبتلا ہو گئے' اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح تعلیمات آچکی تھیں (اور جو لوگ تفرقہ میں پڑیں گے) ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے"۔

سورۃ الانفال جو کہ غزوۂ بدر کے فوراً بعد نازل ہوئی' اُس میں یہ اہم اصولی ہدایت دی گئی کہ: "اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور آپس میں جھگڑو مت' ورنہ تم ڈھیلے پڑ جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی"۔ یعنی اگر تم نے اپنی اجتماعیت میں کمزوری دکھائی تو تمہارے دشمن پر سے تمہارا رعب اور دبدبہ ختم ہو جائے گا۔ اس کا مشاہدہ غزوۂ اُحد میں کروا دیا گیا' جب پچاس تیر اندازوں پر جو کمانڈر حضور ﷺ نے مقرر کئے تھے' ان کا کہنا نہیں مانا گیا تو فتح شکست میں بدل گئی۔ چنانچہ سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۵۲ میں کم و بیش یہی الفاظ دہرائے گئے ہیں "اللہ نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا (اللہ کی مدد آگئی تھی اور تمہیں فتح مل گئی تھی) جب تم انہیں کاٹ رہے تھے اللہ کے حکم سے' یہاں تک کہ جب تم ڈھیلے ہوئے (یعنی تم نے اپنے ڈسپلن کو ڈھیلا کیا) اور تم نے آپس میں جھگڑا کیا۔ (اپنے امیر کی بات نہیں مانی) اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ تمہیں وہ چیز نظر آگئی جو تمہیں پسند ہے (یعنی فتح)"۔ گویا صرف ڈسپلن کی خلاف ورزی پر غزوۂ احد میں اللہ کی آئی ہوئی مدد واپس چلی گئی اور چند مسلمانوں کی اس کوتاہی پر مسلمانوں کو یہ سزا ملی کہ فتح شکست میں بدل گئی اور ستر جلیل القدر صحابہؓ شہید ہو گئے۔ یہ سب اجتماعیت میں کمزوری دکھانے کے بعد ہوا۔

سورۃ تغابن میں ان سب باتوں کا لب لباب یوں بیان کر دیا گیا۔ "حتی الامکان اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور (دیکھو حکم) سنو اور مانو۔" (آیت: ۱۶) یہاں اللہ کی سنو اور رسول کی اطاعت کرو کے الفاظ نہیں آئے بلکہ ایک عمومی بات کی گئی ہے کہ سنو اور اطاعت کرو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اطاعت کا ایک چینل اور کڑیاں ہیں۔ جماعت میں ایک مرکزی امیر ہوتا ہے۔ پھر اس کے نیچے ذیلی امراء ہوں گے۔ اگر کہیں کوئی مہم بھیجی جائے گی تو اس کا ایک الگ امیر یا کمانڈر ہو گا۔ لہٰذا اطاعت کا یہ معاملہ سلسلہ بہ سلسلہ چلتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی"۔ مزید فرمایا: "جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی"۔

اب آیئے التزام جماعت کے واضح حکم کی طرف جو ایک حدیث میں موجود ہے۔ جسے مسند احمد ابن حنبل اور جامع ترمذی میں نقل کیا گیا ہے۔ حضرت حارث الاشعریؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

"(مسلمانو!) میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں۔ (ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی ہیں کہ اللہ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے) جماعت کا' سمع و طاعت کا اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کا"۔

یعنی جماعت کے بغیر نہ رہو۔ امیر کا حکم سنو' اور اس کی اطاعت کرو۔ اور ہجرت اور جہاد فی سبیل اللہ کو اپنے اوپر لازم کر لو۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ حدیث ہمارے ذہنوں سے غائب ہو چکی ہے۔ اس حدیث کا تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۲ء میں اپنے جریدے الہلال میں کیا لیکن اس کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ پھر ۱۹۴۶ء میں مولانا مودودی نے "شہادت حق" کے موضوع پر اپنی تقریر میں یہ حدیث بیان کی مگر حوالہ وہاں بھی نہیں دیا گیا۔ جب میں ۶۷-۱۹۶۶ء میں مستقل طور پر لاہور منتقل ہوا تو میں نے یہاں کے ایک بڑے عالم دین سے اس حدیث کا حوالہ مانگا تو فرمانے لگے کہ الفاظ نامانوس سے ہیں' یاد نہیں پڑتا کہ کبھی نگاہ سے گزرے ہوں۔ حالانکہ یہ حدیث مشکوٰۃ میں موجود ہے۔ اور مشکوٰۃ کو ہمارے ہاں دینی مدرسوں میں تعلیم حدیث کے بنیادی قاعدہ کا درجہ حاصل ہے۔ لیکن یہ حدیث کے علماء کی نظروں سے بالعموم محو ہے۔ اس حدیث کے بالمقابل ایک اور حدیث بہت معروف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے۔ ① کلمہ شہادت' ② نماز' ③ زکوٰۃ ④ رمضان کے روزے اور ⑤ جو بھی استطاعت رکھتا ہو سفر کی اس کے لئے بیت اللہ کا حج"۔

یہ بھی حدیث رسول ﷺ ہے اور وہ بھی حدیث رسول ﷺ ہے۔ مؤخر الذکر حدیثِ رسول ﷺ ہر مسلمان کے علم میں ہے۔ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ اسلام کے پانچ ارکان ہیں۔ لیکن دوسری حدیث کی طرف بڑے بڑے علماء کا دھیان بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ نے التزام جماعت والی حدیث میں پانچ چیزوں پر عمل کا حکم انتہائی تاکید کے ساتھ دیا ہے جبکہ ارکان اسلام والی حدیث میں پانچ بنیادی باتوں کا ذکر جملہ خبریہ کے طور پر مذکور ہے' اور اس میں کسی حکم کی بات نہیں آئی ہے۔ پھر ایک حدیث ذہنوں میں اتنی تازہ اور دوسری اجنبی اور نامانوس کیوں ہے۔ اس ذہول کی وجہ یہ ہے حضور ﷺ نے اول الذکر حدیث میں جن پانچ چیزوں کا حکم دیا ہے ان کا تعلق اقامت دین سے ہے۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ اقامت دین کا کام ہی ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں اور پھر بعد میں جب تک خلافت راشدہ موجود رہی' دین اور ریاست یکجا تھے۔ مسلمانوں کے دینی قائد اور سیاسی رہنما کون تھے۔ یہی ابوبکر و عمر اور عثمان و علی رضی اللہ عنہم تھے۔ یہ معاملہ نہیں تھا کہ اہل سیاست اور ہوں جبکہ اہل علم و رجال دین کوئی اور۔ خلافت راشدہ کے بعد یہ ہوا کہ دین و دنیا کی تقسیم ہو گئی۔ یعنی ریاست و سیاست کے معاملات کو دین سے جدا کر دیا گیا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ رجال دین بھی دو حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک کو کہا گیا کہ یہ علمائے ظاہر ہیں۔ دوسرے طبقے کو علمائے باطن کہا گیا۔ یوں سیاست و حکومت کی قیادت تو الگ ہوئی ہی تھی خود دین میں بھی روحانی قیادت صوفیاء کے پاس آگئی اور علمی قیادت علماء تک محدود ہو گئی۔ اس طرح مسلمانوں کی قیادت کا معاملہ تثلیث میں بدل گیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دینی تصورات سکڑتے چلے گئے۔ اگرچہ جب تک مسلمانوں کی حکومت رہی علماء کی بھی اہمیت رہی۔ کیونکہ نظام جیسا تیسا بھی تھا شریعت پر قائم تھا۔ لہٰذا قاضی' مفتی اور مساجد کے خطیبوں کے لئے

علماء ہی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ہمارے ہاں دینی تعلیم کا یہ سارا نظام جسے ہم درس نظامی کہتے ہیں یہ درحقیقت مسلم حکومتوں کی سول سروس کی تیاری کا کام دیتا تھا پھر جب ہم پر مغربی یلغار ہوئی اور اقتدار غیروں کے ہاتھ میں چلا گیا تو اب اس کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اب علماء کے ہاتھ میں صرف نماز' روزے کے مسائل رہ گئے یا مسجد کی امامت رہ گئی۔ چنانچہ اب دینی تصورات صرف انہی مسائل تک محدود ہو گئے۔ دین کا بطور نظام ایک جامع تصور عوام و خواص سب کی نظروں سے غائب ہوتا چلا گیا اور آخر کار ہماری دینی قیادت کا معاملہ وہ ہوا جسے اقبال نے کہا تھا ۔

قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بے چارے دو رکعت کے امام

مختصراً یہ کہ ہوتے ہوتے دین کا تصور ان چیزوں تک محدود ہو گیا جو کفر کے نظام میں بھی چلتی رہیں مثلاً انگریز نے نماز سے نہیں روکا۔ روزہ رکھنے پر کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ آج بھی امریکہ میں ان چیزوں سے کوئی نہیں روکتا۔ دین کا مذہب والا حصہ غیر مسلموں کی حکومتوں میں ماضی میں بھی چلتا رہا' آج بھی قابل عمل ہے۔ لیکن دین کا غلبہ' اور دین کو پورے نظام زندگی کی حیثیت سے قائم کرنے کی جدوجہد آج ہمارے ذہنوں سے خارج ہو گئی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: Out of sight out of mind یعنی جب ایک شے صدیوں تک مشاہدے میں نہیں رہی تو اس کی اہمیت بھی مدنظر نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم وہ حدیثیں پڑھ رہے ہیں لیکن ان کی طرف توجہ نہیں ہے لہٰذا آج ان احادیث کے الفاظ نامانوس محسوس ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو چیز نظروں کے سامنے نہ رہے' ذہن میں بھی نہیں رہتی اور اگر ذہن میں موجود نہ ہو تو نگاہ کے سامنے آنے پر بھی اس طرف توجہ نہیں ہو پاتی کیونکہ ذہن میں اس کے لئے کوئی خانہ موجود ہی نہیں ہوتا۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا تھا ۔

صوم ہے ایمان سے' ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے' قرآن غائب قوم گم

اسی شعر کے مصداق مذہب والا حصہ سامنے رہنے کے باعث ارکان اسلام سے تو ہم واقف ہیں لیکن ارکانِ اقامت دین ہمارے تصورات سے خارج ہو چکے ہیں۔ بہرحال حدیث کی رو سے "ارکانِ اقامت دین" میں التزام جماعت پہلا رکن ہے۔ کئی اور احادیث میں بھی جماعت کے التزام کے بارے میں تاکید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ((علیکم بالجماعۃ)) "لازم ہے تم پر کہ جماعت کی شکل میں رہو۔" ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: ((یداللہ علی الجماعۃ)) "اللہ کی تائید اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے" اس ضمن میں ایک بہت عمدہ اثر حضرت عمرؓ سے منقول ہے۔ آپؓ نے فرمایا: "لا اسلام الا بالجماعۃ ولا جماعۃ الا بالامارۃ ولا امارۃ الا بالطاعۃ)) "جماعت کے بغیر اسلام ہے ہی نہیں۔ اور جماعت کا کوئی تصور نہیں جب تک اس کا کوئی امیر نہ ہو۔ اور امیر ہونے کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کی اطاعت نہ کی جائے"۔ حضرت عمرؓ سے منقول ایک دوسرے قول میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "امیر کا کوئی فائدہ نہیں اگر اس کا حکم سنا نہ جائے اور سننا بیکار ہے اگر اطاعت نہ ہو"۔

اب زیر بحث حدیث کے دو آخری ارکان یعنی جہاد اور ہجرت کی طرف آئیے۔ جہاد اور ہجرت دونوں کی ایک ابتدائی منزل ہے اور دونوں کی ایک انتہا بھی ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا "اے اللہ کے رسول ﷺ یہ بتایئے سب سے افضل جہاد کونسا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا کہ "افضل جہاد یہ ہے کہ اپنے نفس سے جہاد کرو اور اسے اللہ کا مطیع بناؤ۔" جبکہ جہاد کی بلند ترین منزل قتال فی سبیل اللہ ہے۔ یعنی اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لئے دشمنوں سے جنگ کی جائے۔ اسی طرح ہجرت کے بارے میں پوچھا گیا کہ "اے اللہ کے رسول ﷺ! افضل ترین ہجرت کون سی ہے" آپؐ نے فرمایا "چھوڑ دو ہر اس شے کو جو تمہارے رب کو پسند نہیں ہے"۔ اس ابتدائی منزل میں جہاد اور ہجرت کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ کی اطاعت کا خوگر بننا اور ہر اس شے کو ترک کر دینا جو اللہ کو ناپسند ہے۔ جہاد اور ہجرت کی چوٹی کی منزلیں بھی ایک دوسرے سے Related ہیں۔ جہاد کی چوٹی کی منزل قتال فی سبیل اللہ ہے اور سیرت نبویؐ میں قتال فی سبیل اللہ کے

خطاب جمعہ

حالات حاضرہ

ایران کا افغانستان کے لئے سرحدیں کھول دینا انتہائی احسن اقدام ہے

عالمی مالیاتی اداروں کو راضی کرنے کی سابقہ پالیسی اگر جاری رہی تو عوام بغاوت پر اتر آئیں گے

بینظیر کے حالیہ سیاسی بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیاسی شعور سے بیگانہ ہو چکی ہیں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطاب جمعہ کے اختتام پر کہا کہ افغانستان پر امریکی پابندیوں کے بعد "مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے" کے مصداق ایران نے جو ایک عرصہ سے طالبان کے خلاف محاذ آرائی کے موڈ میں تھا اپنی سرحدیں افغانستان کے لئے کھول دی ہیں' جو ایک بہت اچھا اقدام ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی حکومت نے بھی افغانستان میں اجناس کی نقل و حمل کے حوالے سے نرمی کی پالیسی اپنا کر اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ چیف ایگزیکٹو پاکستان پرویز مشرف کا یہ کہنا بھی خوش آئند ہے کہ عالمی برادری کو زمینی حقائق مدنظر رکھنا چاہئیں۔ جن کے مطابق طالبان افغانستان میں ۹۵% علاقے پر نہ صرف قابض ہیں بلکہ انہوں نے وہاں امن بھی قائم کر کے دکھایا ہے۔ کابل پر بھی گزشتہ کئی سالوں سے ان کا کنٹرول ہے۔ اس لئے دنیا کو طالبان کی حکومت کو تسلیم کر لینا چاہئے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ موجودہ فوجی حکومت نے اقتدار سنبھالتے وقت جو دعوے کئے تھے' اس کے مطابق عمل نظر نہ آنے کے باعث لوگوں میں بددلی کے آثار پیدا ہو رہے ہیں۔ اس پر مستزاد پٹرول اور بجلی کی قیمت میں اضافے کا عندیہ اور جنرل سیلز ٹیکس نافذ کرنے کی باتیں عوام میں موجودہ حکومت کی طرف سے مایوسی پیدا کر رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر سابقہ حکومت کی طرح یہ حکومت بھی آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے اشیاء کی قیمتیں بڑھاتی رہی تو عوام بغاوت پر اتر آئیں گے اور تنگ آکر لوٹ مار شروع کر دیں گے جو کسی طرح ملک کے حق میں بہتر نہیں ہو گا۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ عوام بغاوت کریں حکومت کو ان عالمی مالیاتی اداروں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینا چاہئے اور ان پر واضح کر دینا چاہئے کہ ہم ان کے قرضے واپس نہیں کر سکتے اور واپسی کی صورت صرف Debt Equity Swap ہی کا ایک طریقہ ہے جو ماضی میں لاطینی امریکہ نے بھی اپنایا تھا۔ ویسے بھی جتنا قرض ہمارے ذمے ہے اس سے زائد سود ہم بحیثیت قوم ادا کر چکے ہیں لہٰذا ہمیں صاف اعلان کر دینا چاہئے کہ ہم سے مزید کی توقع نہ رکھی جائے۔ بصورت دیگر پاکستان کی معیشت کی بحالی ناممکن ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن بے نظیر کے حالیہ ملک دشمن اور پاکستان کی نظریاتی اساس سے متصادم بیانات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ان کے حالیہ بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیاسی شعور سے بیگانہ ہو چکی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بے نظیر ہر صورت امریکہ کی خوشنودی حاصل کر کے پاکستان کی سیاست میں دوبارہ داخل ہونا چاہتی ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ کیا پیپلز پارٹی میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو بے نظیر کی جگہ سنبھال سکے کیونکہ پاکستان میں بے نظیر کا سیاسی کیریئر ختم ہو چکا ہے۔

مرحلے میں ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ کیونکہ اس مرحلے میں اقامت دین کے لئے باطل کے خلاف جنگ کرنا ہوتی ہے لہٰذا تمام اہل ایمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ایک مرکز پر آ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ مکہ کے مسلمانوں پر مدینہ کی طرف ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ اگر مسلمان منتشر رہتے تو قریش جیسی بڑی طاقت سے قتال کرنا اور انہیں شکست دینا آسان نہ ہوتا۔

بہرحال جہاد و قتال اور ہجرت کی یہ منازل طے کرنا جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ اب ایک اہم سوال یہ ہے کہ یہ جماعت کس بنیاد پر قائم ہو۔ ہم آج جماعت بنانے کی جس بنیاد سے واقف ہیں وہ یہ ہے کہ دستور مرتب کیا جاتا ہے کہ ہمارے یہ مقاصد ہیں' یہ ہمارے قواعد و ضوابط ہیں۔ اس دستور میں طے ہوتا ہے کہ جماعت کی رکنیت کا طریقہ کار کیا ہوگا۔ جماعت اور شوریٰ کیسے منتخب ہوں گے۔ امیر اور شوریٰ کے اختیارات کی حدود کیا ہوں گی وغیرہ۔ جماعت سازی کا یہ سارا فلسفہ مغرب سے آیا ہے۔ یہ طریقہ اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں پہلے کہیں نہیں ملتا۔ چونکہ مسلمانوں پر چودہویں صدی ہجری کا ایک بڑا حصہ مغربی امپیریلزم کے زیر اثر گزرا ہے اس لئے اس صدی میں ہمارے ہاں بھی جماعت سازی کا یہ تصور در آیا ہے۔ اسلام میں جماعت سازی کی جو منصوص' مسنون اور ماثور بنیاد ملتی ہے وہ "بیعت" ہے۔ بیعت شخصی کی بنیاد پر ہی ماضی میں امت مسلمہ ایک جماعت کی شکل میں بندھی رہی ہے۔ اور اس بنیاد پر تمام تحریکیں اٹھی ہیں۔ اس کے مطابق جماعت سازی کا طریقہ یہ ہوگا کہ دینی تحریک اٹھانے والا کوئی شخص اللہ کے راستے میں خود کو پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دین کے تقاضے پر یہ کام کرنے نکلا ہوں' کون ہے اللہ کی راہ میں میرا ساتھ دینے والا ﴿مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ﴾۔ جو لوگ اس کے ساتھ آکر جڑیں گے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے کہ ہم آپ کے ساتھی ہیں۔ آپ کو ہم مشورہ دیں گے لیکن فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ آپ شریعت کے اندر جو حکم دیں گے ہم مانیں گے۔ بس جماعت بن گئی' کسی لمبے چوڑے دستوری خاکے کی ضرورت ہی نہیں۔ بیعت کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے۔ سورۂ فتح میں دو آیتیں موجود ہیں۔ سورۂ ممتحنہ میں خواتین کی بیعت کا ذکر ہے۔ سیرت میں دیکھئے بیعت عقبہ اولیٰ' بیعت عقبہ ثانیہ اور بیعت رضوان کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر بیعت کا ذکر ملتا ہے۔ اگرچہ دستور کی بنیاد پر جماعت سازی حرام نہیں ہے' میرے نزدیک وہ مباحات میں داخل ہے۔ اس کی بنیاد پر بھی اگر کوئی جماعت بنا لی جائے تو تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن سرے سے جماعت ہی نہ ہو ہر شخص انفرادی زندگی بسر کر رہا ہو' یہ درست نہیں ہے۔ افسوسناک صورت یہ ہے کہ ہمارا یہ قومی مزاج بن گیا ہے کہ کوئی کسی کی بات سننے اور ماننے کو تیار نہیں۔ ہر شخص اپنی جگہ پر' اپنے گھمنڈ میں مبتلا ہے کہ بس میری رائے اور میرا خیال برتر ہے میں اسی کے مطابق چلوں گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت امت مسلمہ منتشر ہے۔ کوئی ایک امام نہیں۔ پچاس ساٹھ مسلمان ملک ہیں لیکن کوئی مرکزیت نہیں۔ اسی بناء پر آج جس اسلام دشمن طاقت کا جی چاہتا ہے وہ کسی مسلمان ملک کو مشق ستم بنالیتا ہے' کوئی دوسرا مسلمان ملک اس کی مدد کیلئے پہنچتا ہے نہ اس کے حق میں آواز بلند کرتا ہے۔ ان سب مسائل کا حل یہی ہے ایک جماعت بنا کر اقامت دین کی جدوجہد کی جائے جس کا آخری ہدف امت مسلمہ کو ایک اجتماعیت میں پرونا بالفاظ دیگر عالمی نظام خلافت کا قیام ہو۔ خود علامہ اقبال نے اپنی آخری زندگی میں اس بات کی کوشش فرمائی تھی کہ ایک جماعت قائم کی جائے لیکن بدقسمتی سے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری دنوں کا یہ رخ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جو میرے نزدیک چودھویں صدی ہجری کے مجدد اعظم ہیں' انہوں نے کہا تھا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کام کا آغاز کیا جائے لیکن لوگوں نے ان کی بات نہیں مانی۔ تاہم حیرت ہوتی ہے کہ ہم نے اس اہم واقعہ کو بھی کتابوں سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح آخری زندگی میں (۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۶ء تک) علامہ اقبال کی جو سوچ رہی ہے اور وہ جس کام کیلئے تگ و دو اور غور و فکر کرتے رہے وہ یہ تھا کہ بیعت کی بنیاد پر ایک جماعت بنائی جائے۔ بدقسمتی سے اس جدوجہد کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ اگرچہ علامہ اقبال نے مسلم لیگ کے ساتھ کام کیا ہے لیکن وہ جانتے تھے کہ محض ایک قومی جماعت کی بنیاد پر ایک اسلامی ریاست وجود میں نہیں آسکتی۔ قومی جماعت کی بنیاد پر ایک قومی ریاست ہی وجود میں آئے گی۔ اسلامی ریاست کیلئے تو اسلامی جماعت بنانا پڑے گی اور اس اسلامی جماعت میں وہی شخص شامل ہوگا جو اسلامی احکامات پر خود بھی عمل پیرا ہو۔ جبکہ قومی تحریک میں تو بے عمل مسلمان بھی خواہ وہ زانی یا شرابی ہو' شامل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلم لیگ کا یہی نعرہ تھا کہ مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ۔ لہٰذا ایک قومی تحریک کے نتیجے میں ایک قومی ریاست وجود میں آگئی لیکن باون برس گزرنے کے بعد بھی پاکستان اسلامی ریاست نہیں بن سکا ہے۔ تاہم علامہ اقبال کی کوششوں سے ۱۹۳۶ء میں جمعیت شبان المسلمین کے نام سے ایک اسلامی جماعت کے قیام کا نقشہ مکمل ہو گیا تھا اور علامہ اقبال ہی

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

ترانۂ خلافت

بشیر احمد اعوان' میانوالی

فضا میں گونج کر پیدا' خلافت کے ترانے سے
جہاں مخمور ہو جائے تیرے پُرسوز گانے سے
ذرا گلچیں نوا پیدا ہو لا مطلوب اِلَّا ھُو
چمن سارا مچل جائے تیرے رنگیں فسانے سے
سراپا طور ہو کر جلوۂ نور الہدیٰ چاہیئے
تسلط ظلمتوں کا دور ہو جائے زمانے سے
نہیں اندیشۂ طوفانِ باطل کلمۂ حق کو
یہ نقشِ لوحِ یزداں ہے نکھرتا ہے مٹانے سے
نہ ہو تو گردشِ دوراں سے نالاں ہمسفر ہرگز
اچھلتی ہے سدا موج تلاطم پیچ کھانے سے
شکستہ دل کو ایماں کی حرارت سے جواں کر دے
رگ مردہ میں تازہ خون کو پھر سے رواں کر دے

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

جمہوریت کی ناکامی —— پاکستان اور بنگلہ دیش میں قدر مشترک؟

مرزا ایوب بیگ' لاہور

پاکستان کی باون سالہ اور بنگلہ دیش کی اٹھائیس سالہ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو سیاسی لحاظ سے بہت مشابہت دکھائی دے گی۔ انتخابات ہیں' جمہوریت ہے اور مارشل لاء ہیں' سیاسی بے چینی اور بے اطمینانی کی فضا ہے۔ دونوں ممالک میں مختلف مواقع پر انتخابات کے نتیجے میں جمہوری حکومتیں قائم ہوئیں' لیکن کبھی کوئی جمہوری حکومت اپنی مدت پوری نہ کر سکی۔ اپوزیشن کی جماعتوں نے کبھی اگلے انتخابات کا انتظار نہیں کیا۔ اپوزیشن لیڈر انتخابات کے نتیجے میں قائم ہونے والی حکومت کے خلاف تحریک چلاتے ہیں' ہڑتالیں کرواتے ہیں' ملک بھر میں پہیہ جام کا اعلان کرتے ہیں اور سول نافرمانی کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ اپوزیشن جماعت کے لیڈروں اور کارکنوں کا وقت کی حکومت کے خلاف "مرجاؤ یا مار دو" کا انداز ہوتا ہے۔ حکومت بھی اپوزیشن کو غدار اور غیروں کا ایجنٹ قرار دیتی ہے' ان کے جلسے جلسوں پر اندھا دھند لاٹھی چارج اور فائرنگ کرتی ہے۔ اپوزیشن لاشیں اٹھا کر واویلا کرتی ہے اور فوج کو پکارتی ہے۔ کاروبار زندگی اور صنعت مفلوج ہو جاتی ہے اور دونوں ممالک میں بالآخر فوج عنان حکومت سنبھال لیتی ہے۔ برطرف حکومت کی اہم شخصیات کو پس زنداں ڈال دیا جاتا ہے۔ اپوزیشن کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جاتی ہے۔ پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد جب فوجی حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑنی شروع ہوتی ہے تو سیاسی مینڈک پھر اچھل کود شروع کر دیتے ہیں۔ پرانی دشمنیاں نئی دوستیوں میں بدلنے لگتی ہیں اور سیاست دان' فوجیوں کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرتے ہیں اور بحالی جمہوریت کے نعرے لگنے لگتے ہیں۔

۱۹۷۱ء میں جب متحدہ پاکستان کے آخری انتخابات منعقد ہوئے تو مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی' لہٰذا ملک دولخت ہونے کے بعد مجیب بنگلہ دیش میں اور بھٹو پاکستان کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے' لیکن دونوں کا انجام یہ ہوا کہ ان کے خلاف فوجی بغاوت ہوئی۔ ایک کو عین موقع پر خاندان سمیت گولیوں سے بھون دیا گیا' دوسرا فوج کے ہاتھوں پھانسی چڑھا اور خاندان کے دوسرے افراد بھی مختلف مواقع پر حکومت وقت کے انتقام کی نذر ہوئے۔ دونوں کی ایک ایک بیٹی نے اپنے اپنے باپ کی مقبولیت اور ان کی دردناک موت کو کیش کرایا اور اپنے اپنے ملک کی حاکم بن گئیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بے نظیر کو یہ موقع پہلے ملا۔ وہ ذلت و رسوائی کے داغ اپنے دامن پر لے کر اقتدار سے ہی نہیں اپنے وطن سے بھی دور ہو چکی ہیں۔ مجیب الرحمٰن کی بیٹی گزشتہ انتخابات میں کامیاب ہو کر اقتدار کے کوچہ میں داخل ہوئیں تھیں' اپنے باپ کی بھارت نواز پالیسی کو آگے بڑھایا تھا اور آج کل ان کے ساتھ وہی کچھ ہو رہا ہے جو ان دونوں ممالک میں منتخب حکومت سے ایک یا دو سال بعد ہوتا ہے۔ اپوزیشن ۱۹۹۹ء میں اب تک چھبیس کامیاب ہڑتالیں کروا چکی ہے۔ حکومت کے خلاف تمام جماعتیں متحد ہو چکی ہیں۔ جماعت اسلامی بھی اپنی روایات کے مطابق اینٹی حکومت تحریک میں آگے آگے ہے اور اس معاملے میں سیکولر جماعتوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حسینہ واجد کو بنگلہ دیش کا سب سے بڑا مسئلہ قرار دے رہی ہے' اگرچہ دوسری سیاسی جماعتوں نے جماعت اسلامی پر واضح کر دیا ہے کہ اس تحریک کا ملک میں نفاذ اسلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا' پھر بھی جماعت اسلامی اپنا بھرپور تعاون اپوزیشن کو پیش کر رہی ہے۔ حسینہ واجد کی حکومت بری طرح ڈگمگا رہی ہے' وہ اپوزیشن سے مذاکرات کے لئے منت سماجت کر رہی ہے' لیکن اپوزیشن کا صرف اور صرف ایک مطالبہ ہے' اور وہ ہے حسینہ واجد کا استعفیٰ۔ بالکل اسی طرح جس طرح پاکستان کے حکمرانوں سے دوران تحریک اپوزیشن کہتی ہے کہ اس ملک کے مسائل کا صرف ایک حل ہے' اور وہ ہے آپ کا استعفیٰ۔

عجیب بات یہ ہے کہ تحریک پاکستان خالصتاً جمہوری انداز میں آگے بڑھی۔ مسلم لیگ کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ مسلمانانِ برصغیر کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔ کانگرس اور دوسری سیاسی جماعتیں خصوصاً جمعیت علماءِ ہند اس دعویٰ کو غلط قرار دیتی تھی۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات اس ایشو کے حوالے سے ریفرنڈم کی حیثیت رکھتے تھے۔ مسلم لیگ نے یہ ریفرنڈم غالب اکثریت سے جیتا۔ انہی انتخابات کے نتائج نے کانگرس کو پاکستان کے قیام کے معاملے میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اور اسے چار و ناچار قیام پاکستان کو قبول کرنا پڑا۔ کانگرس کے علاوہ بھی تمام پاکستان مخالف قوتوں کو تسلیم کرنا پڑا تھا کہ مسلم لیگ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے' لہٰذا انگریزوں کے لئے عقل اور استدلال کی سطح پر بھی یہ ممکن نہ رہا تھا کہ وہ مسلم لیگ کے اس مطالبے کو رد کریں کہ برصغیر کے جن علاقوں میں مسلمان اکثریت میں ہیں ان علاقوں پر مشتمل ایک الگ ملک پاکستان کے نام سے قائم کر دیا جائے۔ راقم کا اس وقت اس معلوم اور معروف تاریخ دہرانے کا صرف یہ مطلب ہے کہ تحریک پاکستان کی بنیاد خالصتاً مذہبی تھی یا معیشت تھی یا ایک چھوٹی قوم کا بڑی قوم سے خوف تھا۔ جو کچھ بھی تحریک بہرحال صرف اور صرف جمہوری بنیادوں پر کامیاب ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر مسلمانانِ ہند ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں اپنا وزن مکمل طور پر مسلم لیگ کے پلڑے میں ڈالنے کی بجائے کانگرس' احرار اور جمعیت علماءِ ہند میں منقسم کر دیتے تو پاکستان کا قیام ممکن نہ رہتا۔ اس ساری گفتگو کا حاصل ایک سوال ہے' اور وہ یہ کہ ایسی مضبوط جمہوری بنیاد رکھنے والے ایک ملک میں جمہوریت کیوں اتنی بری طرح ناکام ہوئی؟ پھر یہ کہ اگرچہ بنگلہ دیش کی علیحدگی کی بنیاد مغربی پاکستان کی مبینہ زیادتیاں قرار دی گئیں تھیں' جن میں معاشی زیادتیوں کا ذکر بھی کیا جاتا تھا' لیکن بنگلہ دیش کے قیام کی فوری وجہ یہ بنی کہ جمہوری اصولوں کے مطابق عوامی لیگ اور اس کے قائد شیخ مجیب الرحمٰن کی کامیابی کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں اقتدار منتقل کرنے سے انکار کیا گیا' یعنی پاکستان کا قیام اگر جمہوری اصولوں کو تسلیم کرنے سے ممکن ہوا تو بنگلہ دیش کا قیام جمہوری اصولوں سے انحراف کا نتیجہ تھا' تو پھر کیا وجہ ہے کہ پاکستان میں باون سال میں یہ چوتھی فوجی حکومت ہے اور بنگلہ دیش صرف اٹھائیس سالوں میں تیسری مرتبہ مارشل لاء کی طرف بڑھ رہا ہے؟ حیرانی کی بات یہ ہے کہ معمار پاکستان قائداعظم محمد علی جناح انتہائی جمہوریت پسند اور اپنی جدوجہد کو قانونی اور آئینی حدود میں رکھنے کے زبردست قائل تھے۔ وہ قانونی اور آئینی جنگ لڑنے کے قائل تھے' لیکن پاکستان میں کبھی صحیح معنوں میں قانون کی حکمرانی قائم نہ ہو سکی۔ یہاں انتخابات کے نتیجے میں بھی جو

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

دورۂ افغانستان ـــ کیا دیکھا' کیا محسوس کیا؟

دورۂ افغانستان کے حوالے سے تنظیم اسلامی کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق کی ندائے خلافت سے گفتگو

ماہ اکتوبر میں تنظیم اسلامی کے ایک چار رکنی وفد نے افغانستان کا مطالعاتی دورہ کیا۔ وفد کے سربراہ جناب ڈاکٹر عبدالخالق' ناظم اعلیٰ تنظیم اسلامی پاکستان تھے جبکہ میجر (ر) فتح محمد (امیر تنظیم اسلامی حلقہ سرحد)' ڈاکٹر محمد اقبال صافی (امیر تنظیم اسلامی پشاور) اور مولانا عبدالحلیم شفیق بھی وفد میں شامل تھے۔ ذیل میں جناب ڈاکٹر عبدالخالق کے تاثرات پر مبنی انٹرویو پیش خدمت ہے۔ دورے کی تفصیلی رپورٹ ان شاء اللہ ندائے خلافت کی کسی قریبی اشاعت میں شائع کر دی جائے گی۔ (ادارہ)

س: ڈاکٹر صاحب! سب سے پہلے آپ دورۂ افغانستان کے بارے میں اپنے تاثرات بیان فرمائیے۔

ج: دورۂ افغانستان کی خواہش تو بڑے عرصہ سے تھی۔ پچھلے سال جب ہمارے ساتھیوں کا دورہ ہوا جس میں ہمارے اکثر و بیشتر ناظمین اور امرائے حلقہ جات تھے اور انہوں نے آکر اپنے تاثرات بیان کئے تو تشنگی میں مزید اضافہ ہوا کہ جا کر دیکھا جائے کہ وہاں پر جو اسلامی حکومت قائم ہوئی ہے اس کے کیا حالات ہیں' معاملات کیسے چل رہے ہیں۔ اس خواہش کی تکمیل کی صورت ایسے بنی کہ اکتوبر کے شروع میں لاہور میں تنظیم اسلامی کی توسیعی مجلس عاملہ کا جو اجلاس ہوا اس میں امیر حلقہ سرحد نے بتایا کہ عنقریب ان کا دورۂ افغانستان کا پروگرام ہے تو دبی ہوئی وہ خواہش بیدار ہو گئی۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ اس دورہ میں جو گروپ جا رہا ہے اس کے ساتھ میں بھی شامل ہو جاؤں۔ ہم ۸/ اکتوبر کو یہاں سے روانہ ہوئے اور ۱۴/ اکتوبر کو واپسی ہوئی۔ جب ہمارے دورے کا آغاز ہونے والا تھا تو بہت عجیب سی کیفیت اس لحاظ سے تھی کہ ہم اس سرزمین پر قدم رکھنے والے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہے اور احکام شریعت پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ ہم پاکستان میں رہنے والے اور بالخصوص جو تنظیم اسلامی میں شامل ہیں اور پاکستان میں اقامت دین کی جدوجہد اور کوشش کر رہے ہیں ان کے لئے تو یہ بڑی عجیب سی کیفیت اور احساس تھا کہ ہم پاکستان سے افغانستان کی سرزمین میں داخل ہو رہے ہیں اور یہ وہ علاقہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات نافذ ہیں۔ چونکہ سرحد کا علاقہ افغانستان کی سرحد سے ملا ہوا ہے لہٰذا ہمیں فوری طور پر تو سرحد اور افغانستان کے علاقے میں کوئی فرق نظر نہیں آیا۔ سرحد میں پشتو بولی جاتی ہے۔ افغانستان میں بھی پشتو بولنے والوں کی کثرت ہے۔ اسی طرح سرحدی علاقوں میں لوگوں نے داڑھی رکھی ہوئی ہے۔ وہاں بھی ہر آدمی کے چہرے پر سنت رسولؐ سجی ہوئی نظر آئی۔ ہماری پختون بیلٹ کی طرح پردے کا وہاں بھی بہت اہتمام ہے۔ البتہ خاص طور پر نمایاں فرق یہ ہے کہ وہاں چادر کی بجائے ٹوپی والا برقعہ دیکھنے میں آیا۔ کوئی بھی خاتون بے پردہ نہ تھی۔ اس لحاظ سے تہذیب اور لباس میں تو زیادہ فرق نہیں تھا' البتہ یہ کہ داخل ہوتے ہی ٹریفک بائیں کی بجائے دائیں جانب چل رہی تھی اور وقت میں آدھے گھنٹے کا فرق پڑ گیا تھا۔ افغانستان کا معیاری وقت پاکستان کے معیاری وقت سے

انٹرویو : فرقان دانش خان

آدھا گھنٹہ پیچھے ہے۔ اس کے علاوہ وہاں نسبتاً غربت زیادہ ہے۔ دکانوں میں بھی سادگی اور غربت کے آثار زیادہ نظر آتے ہیں۔ جلال آباد تک جو ہم نے سفر کیا اس میں تو سڑک موجود تھی اگرچہ ٹوٹی پھوٹی ہوئی تھی۔ لیکن جلال آباد سے آگے سڑک ہے ہی نہیں۔ گرد آلود' پتھریلے راستے ہیں۔ جگہ جگہ گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ جنگ کے آثار اور نشانیاں اب بھی اردگرد نظر آئیں۔ کہیں بکتربند گاڑی کا ڈھانچہ پڑا ہے تو کہیں تباہ شدہ ٹینک کھڑا تھا۔ عمارات پر گولیوں کے نشانات دیکھے جا سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اب بھی جنگ زدہ علاقہ محسوس ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ علاقے جہاں پر پانی دستیاب ہے وہاں پر لوگ کھیتی باڑی کرتے ہوئے نظر آئے۔ چونکہ اکثر و بیشتر علاقہ میں پانی نہیں ہے۔ اس لئے وہ ویران ہی نظر آیا۔ کرنسی کی صورتحال یہ ہے کہ افغان کرنسی کا ریٹ ہمارے روپے کے مقابلے میں کافی کم ہے۔ ایک روپے کے ۷۸۰ افغانی آتے ہیں۔ ہم اپنے ساتھ تقریباً ۶۰ لاکھ افغانی لے کر گئے تھے۔ کرنسی کی قیمت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جلال آباد میں ہم چار افراد نے دوپہر کا کھانا کھایا تو اس کی قیمت ایک لاکھ ۳۰ ہزار افغانی دینے پڑے جو بمشکل پاکستانی ۲۰۰ روپے بنتے ہیں۔

س: مغربی میڈیا نے جو تاثر پھیلا رکھا ہے کہ وہاں بہت زیادہ جبر ہے۔ طالبان ہاتھ میں کوڑا لئے پھرتے ہیں۔ جو بے پردہ عورت یا بغیر داڑھی مرد نظر آتا ہے اسے وہیں پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا آپ کو کوئی ایسا منظر نظر آیا؟

ج: کوڑا اس طرح سے تو نظر نہیں آیا لیکن ان کا ایک محکمہ ہے امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ ان کی نشانی یہی ہے کہ ان کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا ہے۔ جب ہم جلال آباد سے آگے کابل کے لئے روانہ ہوئے تو ٹول ٹیکس کے لئے پوسٹ پر اسی محکمہ کا ایک آدمی آیا اس نے ایک ٹیکسی والے کی تلاشی لی کہ اس کے پاس کہیں موسیقی والی کیسٹ تو نہیں ہے۔ ایسا ہو تو وہ موقع پر سزا بھی دیتے ہیں اور ایسے کیسٹس کو تلف کر دیا جاتا ہے۔ تاہم ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا کہ باقاعدہ کسی کو سزا دی جا رہی ہو اور کوڑے لگائے جا رہے ہوں۔ نہ ہی ہم نے ایسا کوئی خوف و ہراس محسوس کیا کہ لوگ خوفزدہ ہوں۔ بلکہ لوگ امن و امان سے اپنے روٹین کے کام سرانجام دیتے ہیں۔ بازاروں میں خوب رونق ہے۔ حتیٰ کہ خواتین کی اچھی بھلی تعداد بازار میں نظر آئی۔ اگر مبالغہ نہ ہو تو بازار میں مردوں کی تعداد ۶۰% جبکہ عورتوں کی تعداد ۴۰% رہی ہوگی۔ البتہ تمام خواتین باپردہ تھیں۔ چنانچہ یہ تاثر کہ طالبان نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ دوسری جو مثبت بات نظر آئی وہ یہ کہ جو خواتین طالبان حکومت سے پہلے دفاتر میں کام کرتی تھیں۔ اب انہیں گھر بیٹھے حکومت کی طرف سے وظیفہ دیا جا رہا ہے۔ بس وہ ہفتے میں ایک دفعہ آکر حاضری لگا جاتی ہیں۔ یہی معاملہ خواتین اساتذہ کا ہے کہ انہیں بھی گزارہ الاؤنس مل رہا ہے اور ان سے فی الحال کوئی تدریسی خدمات نہیں لی جا رہیں۔

س: افغانستان کا انقلاب چونکہ تربیت اور تزکیہ کے مراحل سے نہیں گزرا اور عام لوگوں کا ذہن ایک اسلامی حکومت کے لئے اس طرح تیار نہیں تھا جیسے ہونا چاہئے۔ آپ کا مشاہدہ کیا ہے' آیا وہاں کہ لوگوں نے اسے قبول کرلیا ہے یا نہیں؟

ج: اصل میں اس طرح کا جب بھی انقلاب آتا ہے تو وہ لوگ جو پہلے سے آزاد زندگی کے عادی ہوتے ہیں وہ اسے قبول نہیں کرتے چنانچہ یہاں پر بھی جب شروع شروع میں طالبان کا کنٹرول ہوا ہے تو عورتوں میں پردے کی آمادگی نہیں تھی۔ اسی طرح بہت سے لوگ داڑھیاں رکھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس لئے شروع شروع میں طالبان کو سختی کرنی پڑی ہے لیکن اب آہستہ آہستہ یہ نظام لوگوں کی زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ اب اس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کہ واقعی ان کے دل میں آمادگی ہے یا نہیں ہے۔ اب بھی بہت سے لوگ ایسے ہوں گے کہ اچانک طالبان کا کنٹرول ختم ہو جائے اور ان کو آزادی دے دی جائے تو وہ اپنے پرانے لائف سٹائل کی طرف لوٹ جائیں کیونکہ آزادی انسان کو مرغوب ہوتی ہے اور وہ پابندی قبول نہیں کرتا۔ اسلام کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ہمارا دین پابندی اور آزادی کا ایک عمدہ امتزاج دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو تو اسی کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ تاہم حکومت لوگوں کو دین کی طرف مائل کرنے کی کوششیں بھی کررہی ہے۔ ذرائع ابلاغ میں ریڈیو یہ کام کر رہا ہے کہ لوگوں کو دین کی طرف راغب کیا جائے۔ اس کے علاوہ ریڈیو پر جہاد کے ترانے بجتے ہیں جو میوزک کے بغیر ہیں۔ بہرحال لوگوں میں بظاہر کوئی مخالفت نظر نہیں آئی۔ البتہ وہاں مہنگائی کے ہاتھوں لوگ پریشان ہیں۔ اگرچہ عمومی طور پر مہنگائی کا سامنا تو تمام ترقی پذیر ممالک کو ہے۔ میں نے ایران کا دورہ کیا تھا لوگ وہاں بھی مہنگائی کے ہاتھوں بہت پریشان تھے۔ افغانستان میں بھی صورتحال یہی ہے۔ چونکہ پوری دنیا نے ان کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے جس کا نتیجہ ہے کہ ضروریات کی چیزیں مہنگی ہیں۔

س: وہاں کے سرکاری عہدیداروں کا آپ کے وفد کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟

ج: ہمارا یہ وفد پرائیویٹ طور پر گیا تھا۔ پچھلی مرتبہ ہمارے ساتھیوں کا جو وفد گیا تھا وہ سرکاری طور پر گیا تھا۔ ہماری وہاں سرکاری لوگوں سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے خاصی آؤ بھگت کی اور استقبال کیا۔ اگرچہ ہمارا دورہ پرائیویٹ تھا لیکن ہم جس محکمے میں گئے انہوں نے کوئی فرق نہیں کیا۔ ہم وزارت خزانہ میں بھی گئے۔ وزارت تعلیم' وزارت تعلقات عامہ میں گئے۔ وہاں کے وزراء اور نائبین سے ملاقاتیں بھی کیں۔ انہوں نے کھلے ماحول میں بغیر کسی Reservation کے باتیں کی۔

س: منہج انقلاب نبویؐ اور اسلام کے نظام اجتماعی کے حوالے سے آپ کے وفد کی طالبان کے ذمہ داروں سے گفتگو ہوئی؟

ج: منہج انقلاب نبویؐ کے حوالے سے تو وہاں پر گفتگو کا کوئی موقع نہیں تھا کیونکہ وہاں انقلاب تو آچکا ہے۔ البتہ پچھلی دفعہ ہمارا وفد خطبات خلافت کا فارسی ترجمہ لے کر گیا تھا۔ چنانچہ ہماری جن حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں ان لوگوں کو اس کتاب کا دیا جانا یاد تھا۔ وہ تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کے نام سے بھی واقف تھے۔

س: ڈاکٹر صاحب وہاں کے نظام کے حوالے سے بتائیے کہ وہ کیسا ہے؟ اور اس حوالے سے انہوں نے اب تک کیا پیش رفت کی ہے؟

ج: وہاں پر موجودہ نظام مکمل نظام کی صورت میں نہیں ہے۔ جہاں تک سیاسی نظام کا تعلق ہے۔ اس میں بنیادی بات ہوتی ہے کہ لوگوں کے سیاسی حقوق کیا ہیں۔ اظہار رائے کی کتنی آزادی ہے۔ لوگوں کے پاس کتنا اختیار ہے کہ اپنی حکومت کو کسی بھی وجہ سے بدلنا چاہیں تو بدل سکتے ہیں یا نہیں۔ اگرچہ طالبان کی حکومت ایک جنگی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوئی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ افغانستان کے علماء' جن کی تعداد میں اختلاف ہے کہ تین ہزار ہیں یا پندرہ سو' انہوں نے ملا محمد عمر کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ لیکن آج کے دور میں ایک عام شخص کے جو حقوق ایک ریاست میں ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایسا نظام وجود میں نہیں آیا۔ کوئی باقاعدہ سیاسی نظام نہیں ہے۔ لوگوں کو سیاسی آزادی حاصل نہیں ہے۔ دوسرا اہم مسئلہ معاشی نظام کا ہے۔ وہاں نہ تو کارخانے ہیں اور نہ ہی بیرونی ممالک سے تجارت ہے۔ خاص طور پر برآمدات اور درآمدات میں بنکوں کا کردار سوائے پیسے رکھنے اور کرنسی جاری کرنے کے کچھ نہیں ہے۔ اس لحاظ سے معاشی نظام بھی بالکل تلپٹ ہے۔ البتہ معاشرتی اور سماجی نظام کی حد تک اسلام کے احکامات رائج ہیں۔ ابھی وہ ہنگامی دور سے گزر رہے ہیں کیونکہ جن گروپوں نے روس کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا تھا ان سے ابھی تک جنگ جاری ہے۔ وہاں نارمل حالات نہیں ہیں کہ وہ کوئی نظام Develop کر سکیں۔ اسی طرح معیشت کی طرف بھی وہ توجہ نہیں دے پا رہے۔ وہاں پر صفائی کا انتظام اور صحت کا معاملہ بھی NGO's نے سنبھالا ہوا ہے۔ حکومت کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ وہ اس سارے نظام کو سنبھال سکیں۔ حکومت نے تعلیم کا نظام ابتدائی سطح پر کنٹرول کیا ہے۔ بچوں کی تعلیم کے لئے مدرسے اور سکول موجود ہیں۔ لیکن بچیوں کی تعلیم کے لئے ان کے پاس انتظامات نہیں ہیں۔ وہ بچیوں کی تعلیم کے خلاف نہیں ہیں بلکہ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ ہم ان کے لئے علیحدہ سکولز کا انتظام کر سکیں۔ اسی طرح عدلیہ کا معاملہ بھی آزادی والا نہیں ہے۔ بہرحال وہاں کوئی ایسا نظام نہیں ہے کہ ہم یہ کہہ سکیں کہ یہ ہے اسلام کا معاشی' سیاسی اور معاشرتی نظام۔ معاشرتی اور سماجی نظام بھی بالکل ابتدائی سٹیج پر ہیں۔ جس پر وہ اپنے وسائل کی کمی کی وجہ سے پوری طرح عمل نہیں کر پا رہے۔ لہٰذا ہم اس کو مکمل اسلامی نظام نہیں کہہ سکتے۔

س: اس سٹیج پر طالبان حکومت کی کیا مدد کی جا سکتی ہے؟

ج: ان کو زرعی اجناس' ضروریات زندگی اور پیسوں کی ضرورت ہے۔ البتہ وہ کسی کو کچھ کہتے نہیں ہیں اور انہوں نے کسی سے ایسا تقاضا نہیں کیا۔ اگر کہتے بھی ہیں تو اس میں یہ پہلو شامل ہوتا ہے کہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے ہم سے تجارت کی جائے۔ ہم اس کی ادائیگی کے لئے تیار ہیں۔ بہرحال انہوں نے ایک غیرت مند اور باوقار مسلمان ملک کا طرز عمل اختیار کر رکھا ہے۔ اگرچہ ان کی ضروریات بہت ہیں۔ سڑکیں ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ کابل شہر میں اکثر عمارتیں بالکل ختم ہو چکی ہیں۔ ان کو بنانے کیلئے وسائل چاہئیں جو ان کے پاس نہیں ہیں۔ جہاں تک نظام کے حوالے سے ان کی مدد کا تعلق ہے۔ وہ ہم جیسے لوگوں کی باتیں اور مشورے سن تو لیتے ہیں لیکن فیصلے اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ مولانا محمد تقی عثمانی نے ایک اسلامی ماہر معیشت کو طالبان کی رہنمائی کیلئے بھیجا تھا۔ وہاں انہیں کوئی پذیرائی نہیں ملی تو وہ مایوس ہو کر واپس ہو گئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے حالات کو خود اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم باہر بیٹھ کر باتیں کر کے سمجھتے ہیں کہ حق ادا ہو گیا۔ لیکن انہیں جن مشکلات کا سامنا ہے وہی بہتر سمجھتے ہیں۔

س: جس طرح حضور ﷺ کے دور میں مسلمانوں نے مدینہ ہجرت کی تھی تاکہ مسلمان ایک اسلامی مرکز میں جمع ہو جائیں۔ آج افغانستان میں اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد اگر کسی کے دل میں ہجرت کی خواہش پیدا ہو تو اس کی کیا حیثیت ہے؟

ج: اصل میں نبی اکرمؐ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب مدینہ ہجرت فرمائی تھی تو وہ فرض ہو گئی تھی تاکہ آئندہ اسلامی ریاست کے قیام کے لئے جو جدوجہد اور کوشش ہونی ہے وہ اس میں حصہ لیں' کیونکہ اگر لوگ یونہی بکھرے رہیں گے تو قوت ایک جگہ اکٹھی نہیں ہوگی اور اس کے لئے جدوجہد نہیں ہو سکے گی۔ چنانچہ وہ ہجرت فرض کر دی گئی تھی۔ دوسرے وہ ہجرت تب ہوئی ہے جب مکہ میں مسلمانوں کے لئے عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا تھا اور کفار مکہ ان کی جان کے درپے ہو گئے تھے۔ افغانستان میں جو موجودہ حکمران آئے ہیں انہوں نے اسلامی احکام

نافذ کر دیے ہیں اور وہاں عدالتی فیصلے اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت ہو رہے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کی زندگی مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تابع نہیں ہے اور وہ چاہتا ہے کہ میں کسی ایسی جگہ پر جاؤں جہاں اللہ تعالیٰ کی احکامات پر پوری طرح عمل کر سکوں تو اس کے لئے شاید یہ گنجائش نکل آئے لیکن ایک فرد کے لئے اولین فرض یہ ہے کہ جہاں وہ رہا ہے۔ وہاں پر نظام کو تبدیل کرنے کی جدوجہد کرے۔ اگر وہاں ایسے حالات پیدا نہیں ہوئے کہ اس کا جینا دوبھر کر دیا گیا ہے تو اسے وہیں پر رہ کر دین کے قیام کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنی چاہئے۔ یہ جدوجہد اس کا نعم البدل بن جائے گی کہ وہ اجتماعی معاملات میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی نہیں کر پا رہا۔ اس پہلو سے یہ انسان کے خود سوچنے کا معاملہ ہے کہ وہ کس چیز کو کس پر ترجیح دے۔ بہرحال اس میں کوئی شرعی حکم نافذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

س: لیکن جب وہاں کسی کو جائیداد خریدنے اور شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے تو پھر ہجرت کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔

ج: جی ہاں! اس دورہ افغانستان کے دوران ہماری ملاقات حرکۃ المجاہدین کے لوگوں سے ہوئی جو اس وقت وہاں ذمہ دار ہیں اور سات آٹھ سال سے وہاں رہ رہے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے شادیاں بھی کی ہیں۔ لیکن وہاں انہیں جائیدادیں خریدنے کی اجازت نہیں ہے۔ انہیں وہاں کی شہریت بھی حاصل نہیں ہے اگرچہ وہ سات آٹھ سال سے رہ رہے ہیں اور وہ ان کی بولی بھی بولتے ہیں۔ ہم نے وہاں ایک پراپرٹی ڈیلر سے بھی پوچھا کہ یہاں باہر سے آیا ہوا شخص کوئی زمین یا جائیداد خریدنا چاہے تو اس کی اجازت ہے تو اس نے کہا کہ اس کے لئے یہاں کا شہری ہونا ضروری ہے۔ جہاں تک شادی پر پابندی کا تعلق ہے طالبان مختلف محاذوں پر جنگ لڑ رہے ہیں ایک محاذ کابل کا محاذ ہے۔ کابل سے تقریباً ۳۰'۳۵ کلومیٹر دور جہاں سے پہاڑی درہ شروع ہو جاتا ہے اور اس سے آگے پنج شیر کا علاقہ ہے جس میں احمد شاہ مسعود کی فوجیں ہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں سے جو نوجوان لڑنے کے لئے کابل آتے ہیں یہ ان پر پابندی ہے کہ وہ کابل کی کسی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتے۔ وہ بھی اس لئے کہ وہ یہاں لڑنے آتے ہیں۔ ان کے شادی کرنے سے بہت سے معاشرتی مسائل کھڑے ہو جائیں گے مثلاً یہ کہ اگر وہ وہاں شہید ہو جائیں یا واپس چلے جائیں تو اپنے اہل خانہ کو ساتھ لے کر جائیں یا وہیں رہیں۔ اس حوالے سے حکومت نے طالبان پر شادی کی پابندی لگائی ہے۔

س: وہاں کی شہریت کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟

ج: یہ تو مجھے معلوم نہیں۔ البتہ وہاں ڈومیسائل کی طرز پر رجسٹریشن کا کوئی نہ کوئی نظام ہو گا کیونکہ وہ پاسپورٹ وغیرہ تو جاری کرتے ہیں۔

س: کیا وہاں ہر شخص کے لئے ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے؟

ج: نہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ ایک تصور یہ بھی ہے کہ ارباب حل و عقد اگر کسی کو امیر المومنین تسلیم کر لیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر لیں تو وہ باقی سب کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔

س: کیا طالبان کا ایسا کوئی رجحان نظر آیا کہ وہ عالم اسلام کو ملا عمر کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور انہیں خلیفہ تسلیم کیے جانے کی دعوت دیں گے؟

ج: وہ تو خود ابھی اپنے آپ کو اس پوزیشن میں نہیں سمجھتے' اس لئے کہ ابھی تو افغانستان ہی میں ان کا مکمل کنٹرول نہیں ہے۔ کجا یہ کہ پوری دنیا کے لوگ انہیں امیر المومنین مان لیں! نہ ہی اس طرح کی بات ان کی طرف سے ابھی سننے میں آئی ہے۔ ابھی تو وہ بے چارے اپنے ہی معاملات کو نہیں سنبھال پائے۔

س: ڈاکٹر صاحب کسی موقع پر آپ کے سامنے کیا ایسی کوئی بات آئی ہے کہ انہیں جہاد کے لئے افرادی قوت کی ضرورت ہے؟

ج: جہاد کے حوالے سے انہوں نے افرادی قوت کی ضرورت کا اظہار نہیں کیا۔ پاکستان میں کچھ جہادی گروپ ایسے ہیں جو لوگوں کو جہاد کے لئے ابھارتے ہیں اور انہیں Training دے کر محاذ پر لے جاتے ہیں۔

اس اعتبار سے محاذ جنگ مختلف مورچوں میں تقسیم ہے۔ کچھ طالبان کے لئے ہیں۔ کچھ مجاہدین وہ ہیں جو عرب ممالک یا پاکستان سے آئے ہیں۔ آپس میں ان کے رابطے نہیں ہیں۔ اس کی وجہ زبان کا مختلف ہونا ہے۔ وہاں پر حرکۃ المجاہدین کا گروپ علیحدہ ہے۔ اس گروپ کو آگے چل کر کنٹرول کرنے والے طالبان ہی ہیں۔ گویا وہ از خود کوئی فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ ان کی حیثیت ایک سپاہی کی تو ہے۔ لیکن محاذ جنگ میں کوئی فیصلہ کرنا کہ کہاں پیش قدمی کرنی ہے کہاں پیچھے ہٹنا ہے۔ یہ سارے فیصلے اوپر ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جنگ میں مرکزی کنٹرول کے بغیر بات نہیں بنتی۔ اس لئے دوسری زبان کے لوگوں کو بھی طالبان ہی کنٹرول کرتے ہیں۔ کمانڈر طالبان کا ہوتا ہے اور اس کے نیچے باہر سے آئے ہوئے مجاہدین میں سے ذیلی کمانڈر ہوتے ہیں۔ جو اپنے لوگوں کو اپنی ہی زبان میں ان کے احکام سمجھاتے ہیں۔

س: آپ کے وفد کو محاذ جنگ پر جانے کا موقع ملا؟

ج: محاذ جنگ پر جانے کا موقع اتفاق سے اس طرح میسر آ گیا کہ ہمارے ساتھی تجمل حسن میر صاحب جنہوں نے وہاں جہاد افغانستان کے حوالے سے ایک ٹریننگ کیمپ میں شرکت کی تھی اور وہ حرکۃ المجاہدین کے کیمپ میں بھی کچھ عرصہ رہے ہیں' اتفاق سے انہی دنوں وہ بھی وہاں گئے ہوئے تھے۔ ان سے ہماری ایک بازار میں اچانک ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ وہ ہماری ملاقات وہاں پر حرکۃ المجاہدین کے ذمہ داران سے کرانا چاہتے ہیں جو پاکستانی ہی ہیں۔ چنانچہ ان سے ہماری ملاقات ہوئی' مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ ہمیں ان کے کیمپ میں جانے کا موقع بھی ملا جہاں پر لوگوں کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ وہی پھر ہمیں آگے محاذ جنگ پر بھی لے کر گئے۔ وہاں از خود کوئی محاذ جنگ پر نہیں جا سکتا کیونکہ سیکیورٹی اور زبان وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں۔ بہرحال وہ ہمیں کابل سے کوئی پینتیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک محاذ کے فرنٹ پر جہاں احمد شاہ مسعود سے جنگ جاری ہے' لے کر گئے تھے۔ اس محاذ پر پاکستانی مجاہدین ہی تعینات تھے۔

س: محاذ پر کیا کیفیت تھی۔ جب آپ گئے تو کیا اس وقت جنگ ہو رہی تھی؟

ج: ہم وہاں دن کے وقت گئے تھے۔ اس وقت تو جنگ کا نقشہ نہیں تھا۔ بس وہاں پر کبھی کبھار رات کے وقت فائرنگ کا تبادلہ ہو جاتا ہے۔

س: ملا محمد عمر سے ملاقات ہوئی؟

ج: ملا محمد عمر قندھار میں ہوتے ہیں۔ وہ وہاں سے بہت کم باہر نکلتے ہیں۔ ملا عمر صاحب سے ملاقات نہیں ہوئی کیونکہ ہمارے پروگرام میں قندھار جانا شامل ہی نہیں تھا۔ البتہ یہ ارادہ تھا کہ ملا ربانی سے ملاقات کریں گے۔ اسی طرح وکیل احمد متوکل جو آج کل وزیر خارجہ ہیں اور جو امیر المومنین ملا محمد عمر کے بہت با اعتماد اور قریبی ساتھی سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے ملاقات کا ارادہ تھا ہم نے ان حضرات سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ بلکہ ان حضرات نے بوجوہ ہم سے ملنے سے گریز کیا۔ تاہم ہمیں ان کے مرکزی وزراء سے ملنے کا موقع ملا ہے۔ ہم وزیر خارجہ سے ملے ہیں۔ وزیر معدن و صنعت سے ملاقات ہوئی۔ چیف پروٹوکول ڈاکٹر عبدالستار پکتیس اور نائب وزیر تعلیم عبدالسلام حنیفی سے ملاقات ہوئی ہے۔

س: وہاں کے سرکاری دفاتر کا کیا حال ہے؟ فرنیچر وغیرہ ہے یا اس کے بغیر کام چلایا جا رہا ہے؟

ج: کابل میں جب باہمی خانہ جنگی ہوئی تو وہاں پر بہت تباہی ہوئی اور ظاہر ہے سرکاری عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا۔ بہت سی عمارتیں اب بھی ایسی ہیں جن پر گولوں اور گولیوں کے نشانات موجود ہیں۔ اگرچہ اب ان کی تعمیر نو کا آغاز ہو چکا ہے۔ خاص طور پر وزارت تعلیم کی عمارت کو ہم نے دیکھا کہ وہاں سفیدی کا کام ہو رہا تھا اور صفائی وغیرہ کا کام بھی جاری تھا۔ اگرچہ وہاں جو فرنیچر تھا

دیکھنے میں تو وہ کسی زمانے میں بہت عمدہ ہوگا لیکن اب اس کی حالت بہت خستہ ہے ان کے پاس جو بھی چیزیں مہیا ہیں ان سے وہ گزارہ کر رہے ہیں اور کام چلا رہے ہیں۔ اصل میں معاملہ محصولات کا ہے جس کی وہاں کمی ہے۔ اس لئے انہوں نے مختلف ہوٹلز مختلف محکموں میں تقسیم کر رکھے ہیں۔ مثلاً جس ہوٹل میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے وہ وزارت معدن و صنعت کے تحت تھا۔ یعنی وہاں سے جو آمدنی ہوگی وہ اس وزارت میں جائے گی اور اس سے وہ اپنے اخراجات پورے کریں گے۔ افغانستان کے وزیر خزانہ سے جب ہماری ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے اب Revenues اکٹھے کرنے کا انتظام کیا ہے اور ہم نے Budgeting کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ اور اب مختلف محکموں کو بجٹ Allocate کیا جائے گا۔

انہوں نے مزید بتایا کہ ہم نے زکوٰۃ و عشر کا نظام بھی قائم کیا ہے۔ دکانداروں سے ٹیکس وغیرہ بھی لے رہے ہیں۔ اس ضمن میں اُن کی یہ بات بھی بڑی خوش آئند تھی کہ لوگوں کو بنیادی ضروریات فراہم کرنا بھی حکومت کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ پچھلے سال ہمارا جو وفد گیا تھا' انہوں نے آ کر یہ تاثر دیا تھا کہ لوگوں کی بنیادی ضروریات اور کفالت عامہ کے حوالے سے طالبان کا خیال ہے کہ یہ حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اسلامی حکومت کی ذمہ داری محض نظامِ صلوٰۃ کا قیام اور شرعی سزاؤں کا نفاذ ہے۔ اس مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کفالت عامہ بھی ہمارے پیش نظر ہے لیکن چونکہ وسائل کی کمی ہے اس لئے ہم پہلے شہداء کے بیوگان اور یتیم بچوں کو ترجیح دے رہے ہیں۔ اسی طرح سے جو جنگ کے دوران معذور ہو گئے ہیں وہ اس کفالت کے اولین حقدار ہیں۔ بہرحال یہ بہت مثبت بات دیکھنے میں آئی۔

س: کیا طالبان جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟

ج: اصل میں ایسا ہوتا ہے جب کسی بھی جگہ نظام کی تبدیلی عمل میں آتی ہے تو سسٹم کو تو وہی لوگ چلاتے ہیں جو پہلے چلا رہے ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ جو انقلاب لانے والے ہیں ضروری نہیں کہ وہ کسی بھی شعبے میں مہارت کے حامل ہوں۔ یہی معاملہ ایران میں بھی ہوا کہ انقلاب کے بعد جب علماء کی حکومت آئی تو کنٹرول ضرور انہوں نے سنبھالا۔ یعنی مختلف محکموں کے جو وزراء یا نائب تو انہی کے آدمی ہیں' باقی دفاتر میں کام سابقہ عملہ ہی کرتا ہے۔ انقلاب لانے والے تو گویا ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ یہی معاملہ افغانستان میں ہے۔ مثلاً کسی دفتر میں جو سیکشن آفیسر یا کلرکس ہیں یا کوئی ٹیکنیکل لوگ ہیں وہ تو وہی ہیں۔ البتہ جو Policies اوپر بنتی ہیں عملے کا کام ان کے اوپر عملدرآمد کرانا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں پر جو وزیر ہیں یا ان کے نائب ہیں وہ تو طالبان میں سے ہیں اور ان میں سے شاذ ہی کوئی ہوگا جس نے دنیاوی تعلیم بھی حاصل کی ہو۔ Overall Policy مرکز میں بنتی ہے اور پھر وزراء اس پالیسی کو لے کر آگے چلاتے ہیں۔

س: کیا طالبان کے پاس تیکنیکی مہارت بالکل نہیں ہے؟

ج: طالبان تو اصل میں مدرسوں کے پڑھے ہوئے لوگ ہیں البتہ اب وہ عصری علوم سیکھنے کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں چنانچہ کابل میں جو انٹر کانٹیننٹل ہوٹل تھا وہاں پر اس وقت جو اس کے انچارج ہیں وہ طالبان میں سے ہی ہیں۔ انہوں نے اکوڑہ خٹک حقانیہ سے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ کہتے ہیں جب ہم وہاں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو ہمارے کچھ لوگ انگریزی پڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ کوئی ٹائپ سیکھتا تھا تو کوئی کمپیوٹر' ہم ان کا مذاق اڑاتے تھے کہ یہ کس کام میں پڑے ہوئے ہیں ہم نے کوئی یہ کام کرنا ہے؟ ہم نے تو جو پڑھا ہے اس کے مطابق ہی ہم نے پڑھانا ہے یا مدرسے چلانے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ہمیں یہ کام کرنا پڑے گا۔ انہوں نے بتایا کہ اب ہم نے انتظام کیا ہے اسی ہوٹل میں ایک ٹیوٹر روزانہ آتے ہیں اور کچھ طالبان جو مختلف حیثیتوں پر فائز ہیں۔ وہ انگریزی سیکھ رہے ہیں تاکہ جو لوگ باہر سے آتے ہیں ان سے گفتگو کرنے میں آسانی رہے۔ اگرچہ ترجمان تو ہوتے ہیں لیکن یہ کہ براہ راست گفتگو زیادہ موثر ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ ترجمان ان کی بات صحیح پہنچا رہا ہے یا نہیں انہیں کیسے پتا چلے گا؟ لہٰذا اب وہ ازخود انگریزی سیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

س: موجودہ حالات میں عالم اسلام اور مسلم ممالک کا طالبان کے ساتھ کیا رویہ ہونا چاہئے؟

ج: عالم اسلام یا مسلم ممالک کا رویہ افغانستان کے ساتھ تو وہ ہونا چاہئے جیسا اسلام نے ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان سے رویہ اختیار کرنے کی تاکید کی ہے یعنی ہمدردانہ رویہ ہو۔ اگر کوئی ضرورت مند ہے تو اسلام اس کی ضرورت کو پورا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ یہی مسلمان ملکوں کا آپس میں معاملہ ہونا چاہئے۔ ایک مسلمان ملک کسی مصیبت میں ہے اور ضرورت مند ہے تو ہمیں اس کی ضرورت کو پورا کرنا چاہئے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ اسلامی نظام قائم کرنے کے باعث (جہاں تک بھی انہوں نے کیا ہے) پوری دنیا ان کے خلاف ہوئی پڑی ہے' جس کا سرخیل امریکہ ہے چنانچہ جتنے بھی غیر مسلم ممالک ہیں وہ سب ان کے خلاف ہیں۔ ان حالات میں تو افغانستان کے ساتھ اسلامی ممالک کا رویہ نہایت ہمدردانہ ہونا چاہئے' بلکہ یہاں تک کہ اگر کسی وقت خدانخواستہ ان کی طرف سے تلخ بات بھی ہو جائے جو کہ ان مسلمان ممالک کو ناگوار گزرے تو درگزر سے کام لینا چاہئے۔ لیکن صورتحال یہ ہے کہ افغانستان کا رویہ تو تمام اسلامی ممالک کے ساتھ ہمدردانہ ہے اور وہ عالم اسلام کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے رہتے ہیں لیکن بدقسمتی سے اکثر و بیشتر اسلامی ممالک مغربی ممالک کے زیر اثر ہونے کی وجہ سے ان کو Support نہیں کر رہے۔

جب ہم دورے پر گئے تھے اس وقت پاکستان میں نواز حکومت قائم تھی اور نواز حکومت کی طرف سے طالبان کو دہشت گردی میں ملوث قرار دیا جا رہا تھا۔ وہاں ہماری طالبان کے ذمہ دار شخص سے ملاقات ہوئی۔ ہم نے ان سے اس بات کا اظہار کیا کہ ہماری حکومت نے یہ جو الزام لگایا ہے عمومی طور پر پاکستان کے مسلمان یہ نہیں سمجھتے بلکہ وہ بحیثیت مجموعی طالبان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس پر ان کا جواب یہ تھا کہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ حکومت پاکستان کیا کہتی ہے اور کس قسم کے بیان دیتی ہے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی مسلمانوں کے حق میں کونسی چیز یا بات بہتر ہے۔ دشمن تو ہمیں اس طرح کی گفتگو یا بیانات کے ذریعے آپس میں لڑانا چاہتے ہیں لیکن ہم اس کا کوئی بھی تاثر نہیں لیتے بلکہ ہمارا ردعمل ہمیشہ دین اور مسلمانوں کی عمومی مصلحت کے حوالے سے ہوتا ہے۔

یہ انتہائی مثبت اور قابل تعریف طرزِ عمل ہے جو کہ دیگر اسلامی ممالک کو بھی اپنانا چاہئے۔

بقیہ : تجزیہ

حکومتیں قائم ہوئیں وہ سول حکومتیں تو کہلا سکتی ہیں' جمہوری ہرگز نہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو عوامی جمہوریت کے چیمپئن بن کر میدان میں اترے' لیکن دوران اقتدار ان کا رویہ خالصتاً آمرانہ تھا۔ وہ نہ مشاورت کے قائل تھے نہ اپوزیشن کے وجود کو برداشت کر سکتے تھے۔ نواز شریف بھاری مینڈیٹ لے کر آئے' لیکن انہوں نے خاندانی شہنشاہیت قائم کرنے کی کوشش کی۔ اداروں کی ان کی ذات کے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی اور to hell with the constitution ان کا تکیہ کلام بن چکا تھا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ جمہوری بنیادوں پر قائم ہونے والا ملک جمہوریت کی پٹری پر کیوں نہ چڑھ سکا اور قائداعظم جیسے قانون پسند لیڈر کے جانشین قانون کو اپنے گھر کی لونڈی کیوں بنانا چاہتے ہیں؟ کیا پاکستان کی تعمیر ہی میں کوئی خرابی تو مضمر نہیں؟ کیا ہم یہ سوچنا گوارا کریں گے کہ جس نظریے نے جمہوریت کو بطور بنیاد فراہم کیا تھا اس اساسی نظریہ سے حصول پاکستان کے بعد کیا سلوک ہوا؟

☆ ☆ ☆ ☆

رمضان المبارک اور قرآن حکیم کا خصوصی تعلق

تحریر : انجینئر عبدالرحمٰن شاکر

اللہ تعالیٰ رب العزت نے جناب رسالت مآب ﷺ کی اُمت پر نہ صرف یہ کہ تمام سابقہ اُمتوں کی نسبت سب سے زیادہ احسانات فرمائے ہیں بلکہ اسے بعض ایسے خصوصی انعامات سے نوازا گیا جو کسی اور اُمت کے حصے میں نہیں آئے۔ مثلاً جس ذات پاک ﷺ کو اس اُمت کی طرف رسولؐ بنا کر مبعوث فرمایا گیا انہیں نہ صرف تمام انبیاء علیہم السلام کا امام اور سردار بنایا' بلکہ رحمت اللعالمینؐ اور خاتم النبیینؐ بھی بنایا اور اس اُمت کے لئے انؐ کے قلب مبارک پر جس حکمت والے قرآن کو نازل فرمایا وہ تمام آسمانی کتابوں سے افضل ہے۔ اسی طرح گو روزے تمام اُمتوں پر فرض رہے' مگر جس انداز سے اُمت مسلمہ کے لئے روزے فرض کئے گئے۔ یہ صرف اسی کا خاصہ ہے۔ روزوں کے لئے رمضان المبارک جیسا مہینہ مخصوص کیا گیا۔ قابل غور امر ہے کہ روزوں کے لئے رمضان المبارک کا ہی انتخاب کیوں ہوا؟ ان کے لئے کوئی سا مہینہ بھی چنا جا سکتا تھا۔ روزے جس مہینے میں بھی رکھے جاتے جفاکشی اور نفس کشی کا مقصد پورا ہو سکتا تھا' اس کا جواب خود قرآن حکیم میں دیا گیا" رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا' لوگوں کے لئے ہدایت بنا کر اور (اس میں) روشن دلیلیں ہیں ہدایت کی اور حق و باطل میں تمیز کرنے کی۔ سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو وہ اس کے روزے رکھے۔" (البقرہ : ۱۸۵) یعنی رمضان المبارک کے تمام مہینوں سے افضل ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں قرآن عظیم نازل فرمایا گیا۔ اور رمضان المبارک کی اسی عظمت و حرمت کی وجہ سے روزے اس مہینے میں فرض کئے گئے۔ اس آیت مبارکہ میں قرآن حکیم کی تین اہم شانیں بیان ہوئی ہیں۔ (۱) یہ ھدًی للنّاس ہے۔ (۲) یہ بینات پر مشتمل ہے اور (۳) یہ الفرقان ہے۔ ھدًی للنّاس کے الفاظ خاص طور پر غور طلب ہیں یعنی یہ کسی ایک خطے' قوم اور معاشرے کے لئے نہیں' بلکہ تمام انسانوں کے لئے تا قیامت ہدایت کا پیغام ہے۔ اور یہ قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ انسان کی مکمل رہنمائی کرتا ہے۔ ہر شعبے میں اور ہر وقت۔ یہ نور و ہدایت کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جس کے علوم و معارف کا احاطہ نہ آج تک کوئی کر سکا ہے اور نہ قیامت تک کر سکے گا۔ حضور اقدسؐ کو جو ہزاروں معجزات عطا فرمائے گئے' ان میں سے سب سے بڑا معجزہ "قرآن" ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت' اس کے مضامین کی جامعیت اور شوکت' اس کی عبارت کی روانی اور سلاست' اس کے پیغام کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت۔ اس کے بیان کی مٹھاس اور حلاوت اور اس کے انداز کی اثر انگیزی اور اثر آفرینی کا ہی تو اعجاز ہے کہ آج تک کہ قوم عرب (فصاحت و بلاغت جس کی رگوں میں خون حیات بن کر دوڑ رہی تھی) کے شعلہ نوا خطیبوں اور آتش بیان شاعروں کی گردنیں جھک گئیں اور وہ اس کا جواب دینے سے عاجز ہو گئے۔ یہاں پر ایک انتہائی اہم سوال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن حکیم ہے تو ھدی للناس (یعنی روئے زمین کے تمام انسانوں کے لئے پیغام ہدایت) لیکن اس سے ہدایت اور نور حاصل کون کر سکتا ہے؟ تو اس کے لئے شرط ہے تقویٰ۔ اسی لئے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲ میں فرمایا ھدی للمتقین (یہ قرآن تقویٰ اختیار کرنے والوں کو ہدایت دیتا ہے) تقویٰ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی محبت کے شوق میں اور اس کی نافرمانی پر اس کی سزا کے خوف سے ہر برے کام سے بچنا اور نیکی کا کام کرنا ہی دراصل تقویٰ ہے' جو کہ تمام عبادات کی روح ہے اور یہی تقویٰ روزے سے پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۸۳ میں واضح کیا گیا "اے اہل ایمان! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم میں تقویٰ پیدا ہو جائے۔" (البقرۃ : ۸۳) لہٰذا روزے اور قرآن حکیم کے باہمی گہرے تعلق کے حوالے سے مندرجہ ذیل امور روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئے۔

۱) قرآن حکیم تمام بنی نوع انسان کے لئے پیغام ہدایت ہے مگر اس سے ہدایت کا نور حاصل کرنے کے لئے تقویٰ کا ہونا شرط اولین ہے۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۲ سے معلوم ہوا۔ تقویٰ اور ہدایت کی طلب نہ ہو تو ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ابو جہل عتبہ ابو لہب اسی لئے ہدایت سے محروم رہے کیونکہ وہ تقویٰ سے محروم تھے اور ان میں ہدایت کی طلب ہی نہ تھی اگر پانی کی طلب یا پیاس نہ ہو تو پانی کی قدر کا اندازہ کیسے ہو گا؟ اور اگر پیاس کی وجہ سے جان پر بنی ہو تو پھر انسان ایک گھونٹ پانی کے عوض اپنی ساری دولت قربان کرنے پر تیار ہو جائے گا۔ تقویٰ اور طلب ہدایت کے فقدان کی وجہ سے ہی نوح علیہ السلام کا بیٹا اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی صحبت نبوت کے باوجود فیض نبوت سے محروم رہے اور کفر پر مرے۔

۲) روزے کے اندر یہ خاص قوت ہے کہ وہ تقویٰ جیسی دولت پیدا کرتا ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیت ۸۳ سے معلوم ہوا۔ لہٰذا رمضان المبارک میں روزے اسی لئے فرض کئے گئے' کہ ان سے انسان کے اندر تقویٰ پیدا ہو گا اور یہ تقویٰ لے کر انسان جب رات کو تراویح میں قرآن کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہو گا' تو اسے قرآن حکیم سے ہدایت کا نور ملے گا اور اس پر اللہ کے فضل و کرم کی بارش ہو گی' کیونکہ ہدایت اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی وجہ سے تو ہم روزانہ درجنوں مرتبہ نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے حصول کے لئے عرض کرتے ہیں : ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾۔ لہٰذا دن کے روزے کے ساتھ رات تراویح میں قرآن حکیم سننا لازم امر ہے۔ تراویح میں قرآن سنے بغیر خالی روزہ رکھنے سے رمضان المبارک کے تقاضے ہرگز پورے نہ ہوں گے۔ احادیث مبارکہ سے یہ مضمون ثابت بھی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

"جس نے رمضان المبارک کے روزے رکھے' ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ' اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے اور جو رمضان کی (راتوں میں) کھڑا رہا (قرآن سننے یا سنانے کے لئے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔"

(بخاری و مسلم)

اسی طرح نسائی شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ

"جس نے ایمان و احتساب کی نیت سے رمضان کے روزے رکھے اور راتوں کو (قرآن سننے یا سنانے کے لئے) قیام کیا وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے وہ ماں کے بطن سے پیدا ہوتے وقت بے گناہ تھا۔"

ان دونوں احادیث میں روزے اور تراویح یا قیام

الیل کے لئے جو الفاظ صام اور قام استعمال ہوئے ہیں' دونوں ہم وزن اور مساوی ہیں ان الفاظ کا تقاضا ہے کہ جس طرح دن روزے کی حالت میں گزارا جائے' اسی طرح رات قرآن کے ساتھ گزاری جائے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ چونکہ رمضان المبارک کے مہینے میں قرآن حکیم جیسی نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا گیا' نیز اسی قرآن حکیم کی وجہ سے اس اُمت کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لایا گیا' اسے اٹھایا گیا' امن دیا گیا زمین پر غالب کیا گیا اور اُمت وسط کے خصائص عطا کئے گئے لہٰذا اس قرآن جیسی عظیم المرتبت نعمت کی شکرگزاری کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن کو روزہ رکھا جائے اور رات کو قرآن پڑھا اور سنا جائے۔ شکرگزاری کی اسی حقیقت کا اشارہ سورۂ بقرہ کی اسی آیت ۸۵ کے آخری حصہ میں کیا گیا ہے "اور اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں ہدایت بخشی ہے اس پر اس کی بڑائی کرلو تاکہ تم اس کے شکرگزار بنو۔" رمضان المبارک اور قرآن حکیم کا باہمی تعلق اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس مہینے میں تلاوت قرآن کی کثرت کی جائے' نوافل اور تراویح میں تلاوت قرآن کرنا یا سننا افضل ہے۔ چنانچہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ تراویح میں جس پارے کی تلاوت سننا ہو' اگر اس کا پہلے ترجمہ پڑھ لیا جائے تو یہ نور علی نور ہے لیکن اگر کسی انسان کو قرآن سنتے وقت مطالب کی سمجھ نہ بھی آ رہی ہو تو پھر بھی ذوق شوق سے سنے یہ سمجھ کر کہ اس کے محبوب کا کلام پڑھا جا رہا ہے۔

کیا یہ معمولی بات ہے کہ اس قرآن حکیم کے ذریعے ہمیں اپنے محبوب حقیقی سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے؟ ابن ماجہ شریف کی حدیث میں جناب رسالت مآبؐ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ قاری (جب قرآن پڑھتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اُس کی آواز کی طرف اس شخص سے زیادہ کان لگاتے ہیں' جو اپنی گانے والی باندی کا گانا سن رہا ہو۔

حدیث میں تلاوت قرآن کو دنیا میں نور اور آخرت میں ذخیرہ قرار دیا گیا۔ ایک اور حدیث میں فرمایا گیا کہ جن گھروں میں قرآن حکیم کی تلاوت کی جاتی ہے' وہ مکانات آسمان والوں کے لئے ایسے چمکتے ہیں جیسا کہ زمین والوں کے لئے آسمان پر ستارے۔ سرکار رسالت مآبؐ نے تلاوت قرآن کو دلوں کے زنگ دور کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم کا سننا بھی بہت اجر رکھتا ہے' حتیٰ کہ بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ قرآن پاک کا سننا پڑھنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔ الغرض اس بابرکت ماہ میں قرآن کے پڑھنے سننے سے ہماری روح لازماً بیدار ہو گی۔ اس لئے کہ انسان کی روح عالم خاکی کے متعلق نہیں بلکہ یہ عالم ملکوت سے آئی ہے اور قرآن عظیم کے مطابق یہ روح "امر رب" ہے اور خود قرآن "کلام رب" ہے لہٰذا "امر رب" کی قوت کا سامان "کلام رب" ہے کیونکہ یہ بھی وہیں سے آیا ہے۔ اس لحاظ سے گانے اور موسیقی کو روح کی غذا سمجھنے والوں نے سخت ٹھوکر کھائی ہے' روح یعنی امر رب کی تقویت کا باعث قرآن یا کلام رب ہی ہو سکتا ہے۔ رمضان المبارک کا مہینہ دراصل جشن قرآن کا مہینہ ہے۔

گوشہ خواتین

"اے مردِ مجاہد جاگ ذرا....."

شکاگو (امریکہ) میں مقیم ایک پاکستانی خاتون کا چیف ایگزیکٹو پاکستان کے نام کھلا خط

معزز چیف ایگزیکٹو! مادرِ وطن میں رونما ہونے والا کوئی بھی واقعہ یقیناً بیرونِ ملک مقیم محب وطن پاکستانیوں کا دل دھڑکا دیتا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ بیرون ملک رہنے والے پاکستانیوں کی عزت' وقار اور فخر پاکستانی حکومتوں کی policies کا مرہونِ منت ہے۔ حکمران مسند اقتدار پر بیٹھ کر جو بھی فیصلے کرتے ہیں اس کے اثرات اچھے یا برے بیرون ملک پاکستانیوں پر بھی اسی شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں جتنے کہ اندرون ملک رہنے والوں پر۔ فوجی حکومت نے امریکہ میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے بے نظیر بھٹو کے سابقہ دور کی سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی کو دوبارہ سفیر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلے میں اعلیٰ فوجی حکام نے ڈاکٹر ملیحہ لودھی کو ہدایات بھی دے دی ہیں۔ ڈاکٹر ملیحہ لودھی کی تقرری پر میں آپ سے پاکستانی امریکن کمیونٹی کی طرف سے احتجاج کرتی ہوں۔ قیام پاکستان سے لے کر آج تک جتنی تاریخ لکھی جا چکی ہے' اور جو میرا مشاہدہ ہے' اس سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ امریکہ نے ہمیشہ پاکستان کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے! اس کے باوجود امریکہ کے "آزاد ایوانوں" میں مسلمان پاکستانی خواتین کی تقرری "چہ معنی دارد؟"

سفارت خانے اور اس سے وابستہ افراد کی تقریبات میں سفیر خواتین جس طریقے سے پاکستان اور اسلام کے پرخچے اڑاتی ہیں' یہ کوئی ڈھکی چھپی باتیں نہیں ہیں۔ ان خواتین کے خیال میں پاکستان کو ایک نہایت لبرل اور سیکولر ملک ہونا چاہئے' تاکہ پاکستان بھی دوسرے ممالک کی طرح "ترقی" کر سکے۔ ان کے خیال میں نظریہ پاکستان میں اسلام کو بلاوجہ داخل کیا گیا ہے' اسلام ہر شخص کا ذاتی مسئلہ ہے' پردہ اس دور کی خواتین کا معاملہ نہیں ہے' خواتین کو بھرپور آزادی ملنی چاہئے۔ بے نظیر بھٹو نے اپنے ماہ ستمبر کے امریکہ کے دورہ کے موقع پر پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ میرا خواب ہے کہ پاکستان کو لبرل اور ماڈرن پاکستان بنا دوں جہاں خواتین رتبے کے لحاظ سے مردوں کے برابر آ سکیں۔ بے نظیر صاحبہ! اللہ سائیں نے عورت کو ماں کا رتبہ عطا فرمایا ہے اور یہ سب سے معزز رتبہ ہے۔ آپ کو میرا مشورہ ہے کہ اب آپ بھی اپنے بچے پالیں۔ کہاں ماری ماری پھرتی ہیں' آپ کی وجہ سے آج پاکستانی خواتین کے سر شرم سے جھکے ہوئے ہیں۔ فیملی لائف' ممتا اور گھرانے کو سیاست کی بھینٹ چڑھانا دانش مندانہ بات نہیں!

چیف صاحب! پاکستان میں یقیناً ایسے بہت سے اہل علم و دانش مرد حضرات موجود ہیں جنہیں سیاسی اور سفارتی حلقوں میں گھلنے ملنے' ان سے مذاکرت کرنے اور وطن عزیز کا نکتہ نظر پیش کرنے میں مہارت حاصل ہو گی۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو ایسے لوگوں کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ بے شک ڈاکٹر ملیحہ لودھی بے شمار "اوصاف حمیدہ" کا مجموعہ ہیں۔ اپنے سابقہ "سفیری دور" میں ان کی کارکردگی بالکل صفر تھی۔ جدیدیت میں البتہ کافی آگے ہیں۔ ہمیں یہاں ایسا سفیر چاہئے جو اپنے ملک اور مذہب کی صحیح نمائندگی کر سکے۔ ترجیحاً مرد ہو۔ ہماری پہچان بطورِ مسلم اور پاکستانی کرا سکے۔ ملیحہ لودھی صاحبہ پاکستان اور نظریہ پاکستان سے اتنی ہی دور ہیں جتنے امریکی صدر بل کلنٹن۔

چیف صاحب! آپ نے اپنی تقریر میں عوام کو یہ یقین دلایا ہے کہ آپ الفاظ سے نہیں' بلکہ عمل سے اپنے عہد کو ثابت کریں گے۔ میرے جیسے کروڑوں پاکستانی اس عمل کے مظاہرے کے منتظر ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ نئی صدی کا استقبال کرتے وقت ہم خالی ہاتھ نہ ہوں؟

آخر میں میری دعا ہے کہ پرویز مشرف نئے سرے سے پاکستان کو مشرف بہ اسلام کریں۔ آمین

رعنا ہاشم خان

شکاگو' یو ایس اے

چیچنیا میں روسی جارحیت کے حوالے سے

مشہور جہادی گوریلا کمانڈر جناب شامل بسایوف

اور چیچنیا کے مایہ ناز کمانڈر ابنِ خطاب کے انٹرویوز

ترجمہ : مولوی نعمت اللہ

شامل بسایوف کا انٹرویو

س: اس وقت روسی افواج کے شدید ترین حملوں اور مسلسل بمباری کے مقابلے میں چیچن مجاہدین کی کیا پوزیشن ہے؟

ج: مجاہدین کی پوزیشن بہت اچھی ہے۔ اگرچہ روسی افواج چیچنیا کے بعض مقبوضہ علاقوں میں موجود ہیں۔ لیکن زبردست جانی و مالی نقصانات سے دوچار ہیں۔ اب تک ایک سو چھپن فوجی گاڑیاں تباہ کی جا چکی ہیں اور دو ہزار روسی فوجی جہنم واصل ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بارہ جیٹ طیارے اور سات ہیلی کاپٹر مجاہدین کے ہاتھوں تباہ ہو چکے ہیں۔ جبکہ اصل جنگ تو اب تک شروع ہی نہیں ہوئی۔ ہم چاہتے ہیں کہ روسی افواج مزید اندر آ جائیں تاکہ ان کا راستہ کاٹ کر ایک ایک کو چن چن کر ختم کر دیں۔ ان شاء اللہ روسی افواج کے تمام ڈویژن چیچنیا میں ہی ہلاک ہو جائیں گے۔

س: آپ اسلحہ اور دیگر ضروری اشیاء کا بندوبست کہاں سے کرتے ہیں؟ اور یہ آپ کے پاس کیسے پہنچتا ہے؟ نیز آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں کہ شیخ اسامہ بن لادن کی طرف سے آپ کو امداد مل رہی ہے؟

ج: ہمارے پاس جو اسلحہ اور دیگر ضروری اشیاء ہیں یہ سب وہ مال غنیمت ہے جو روسی افواج سے چھینا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ جب ہمیں ضرورت پڑتی ہے تو مختلف ذرائع سے خرید لیتے ہیں۔ باقی رہی بات شیخ اسامہ بن لادن کی کہ وہ ہماری مدد کر رہے ہیں، تو یہ بات قطعاً صحیح نہیں ہے، کیونکہ اب تک ان کے ساتھ میرا تعارف نہیں۔ لیکن میں ان سے ضرور ملاقات کروں گا۔

س: آپ کے ساتھ ایسے مجاہدین بھی ہیں جو دوسرے ممالک سے یہاں جہاد کی غرض سے آئے ہیں؟

ج: ہمارے ساتھ یہاں کے علاقائی مجاہدین ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اسلام کی سرحد متعین نہیں، للذا تمام اسلامی ممالک "ایک ملک" سمجھے جائیں گے۔ ہم سب بھائی بھائی ہیں اور ہم سب کا مقصد روسی فوج کو یہاں سے نکالنا اور ایک اسلامی ملک قائم کرنا ہے۔

س: آپ لوگوں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آپ یہاں قفقاز میں وہابیت کو فروغ دے رہے ہیں؟

ج: اولاً یہ کہ ہمارا مذہب اسلام ہے۔ ثانیاً یہ کہ ہم ہر ایسے غلط نظریہ کے خلاف ہیں جو افراط اور تفریط پر مشتمل ہو اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ بازی کا سبب بن جائے۔ یہ شوشہ دراصل روس کا چھوڑا ہوا ہے۔ اس کا پروپیگنڈہ ہے کہ چیچنیا میں چار مذاہب ہیں اور اب یہ وہابیت پانچویں مذہب کے طور پر نمایاں ہوئی ہے۔ آج تک مسلمانوں میں سے کسی نے ہم کو وہابیت پھیلانے کا الزام نہیں دیا۔ چونکہ روس کا مقصد مسلمانوں میں انتشار پھیلانا ہے اس وجہ سے اس نے ہمارے خلاف وہابیت کا پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا ہے۔

س: کیا آپ کے لئے یہ ممکن ہے کہ آپ روس کو شکست دے دیں۔ حالانکہ روس زبردست جنگی آلات اور ایسے سامان حرب، جو جدید ٹیکنالوجی، خطرناک اور مہلک اسلحہ پر مشتمل ہے، کے ذریعہ آپ سے جنگ لڑ رہا ہے اور ان کے مقابلے میں آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟

ج: جی ہاں! اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہم ضرور فتح یاب ہوں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ پر ہمارا بھروسہ اور ایمان نہ ہوتا تو ہم قطعاً جہاد شروع نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور کمزور مت پڑو، نہ پریشان ہو، اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مؤمن ہو"۔

☆ ☆ ☆ ☆

کمانڈر خطاب کہتے ہیں

س: روسی افواج کیا چاہتی ہیں اور ان کے لڑنے کا کیا مقصد ہے؟

ج: اس سوال کا جواب تو ان روسی قیدیوں سے پوچھنا چاہئے جو ہمارے پاس ہیں، وہ آپ کو روسی فوج کی ناگفتہ بہ حالت اور روسی افسروں کا ان کے ساتھ بدترین رویہ بتلائیں گے۔ اور یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ روس وسائل سے مالامال مسلم ریاست کو ہڑپ کرنے کے ساتھ ساتھ پورے خطے پر اپنا جابرانہ تسلط قائم کرنا چاہتا ہے۔

س: اسلامی ممالک اور مغربی ممالک کے برتاؤ کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

ج: مغربی ممالک اور روس کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ تقریباً ایک جیسا ہے، کیونکہ دونوں مسلمانوں پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کے سابقہ حالات شاہد و عادل ہیں۔ اور اسلامی ممالک، خصوصاً عرب ممالک پر افسوس ہے کہ ہماری طرف ان کی کوئی توجہ نہیں۔ بعض اسلامی ممالک کے لوگ کچھ توجہ کرتے ہیں، لیکن اب ان کی توجہ بھی ختم ہو گئی ہے۔

س: عسکری اعتبار سے آپ نے کیا سوچا ہے اور آئندہ جنگوں کے بارے میں آپ نے کیا لائحہ عمل طے کیا ہے؟ کیا آپ کو کامیابی کی امید ہے؟

ج: روسی فوج چیچنیا میں تین راستوں سے داخل ہوئی۔ انہوں نے مشرقی، مغربی اور شمالی راستے استعمال کئے اور محاصرہ کرنے کے لئے ایک نیا حربی طریقہ اختیار کیا۔ اس کے لئے پہلے انہوں نے جنگی نقطہ نگاہ سے اہم بستیوں پر قبضہ کیا، پھر بمبار طیاروں کے ذریعہ ان علاقوں پر زبردست بمباری کی جن میں مجاہدین تھے۔ اب صورتحال یہ ہے کہ روسی افواج تو چیچنیا میں داخل ہو جائیں گی، اور یہ ممکن بھی ہے، لیکن ان کا یہاں ہمیشہ رہنا محال ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے قفقاز میں وہ سب کے سب مردار اور ہلاک ہو جائیں گے۔

س: کیا آپ لوگوں کو تعاون کی ضرورت ہے اگر ہے تو کس قسم کا تعاون آپ کو درکار ہے؟

ج: چیچنیا ہر طرف سے روسی افواج کے محاصرہ

بقیہ : منبر و محراب

سے بیعت ہونا تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ چوہدری محمد حسین نامی ایک شخص جو انگریزوں نے ان کے سر پر مسلط کیا تھا اس کی وجہ سے یہ ساری سکیم ناکام ہو گئی۔

بیعت کی تاکید میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے "جو مسلمان مرا اس حال میں کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ نہیں تھا اس کی موت جاہلیت کی موت ہے"۔

اس کی کیا وجہ ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر اسلام کا سیاسی اور ریاستی نظام قائم ہو تو جو خلیفۂ وقت ہے اس کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اگر اسلامی حکومت موجود نہیں تو یہ نظام خود بخود تو وجود میں نہیں آ جائے گا۔ جس طرح حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی محنتوں اور قربانی ہی سے یہ نظام اس وقت قائم ہوا تھا اب بھی اس کام کے لئے محنت اور قربانی درکار ہو گی۔ چنانچہ آج وقت کا اہم ترین اور سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ جو جماعت نظام خلافت کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہی ہو اس میں شامل ہوا جائے۔ اگر اس جماعت میں دستوری طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے تو بھی درست اور اگر وہ جماعت بیعت کی بنیاد پر قائم کی گئی ہو تو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت کی جائے۔

☆ ☆ ☆ ☆

بقیہ : عالم اسلام

میں ہے' لیکن حقیقت یہ ہے کہ روسی فوجیں پیسوں کے بدلہ میں اپنا سب کچھ بیچ دیتی ہیں۔ اسلامی رفاہی اداروں اور خیراتی تنظیموں کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی مشکلات میں ان کی کتنی مدد کی اور ان کو ان کی کتنی ضروریات فراہم کیں۔ افسوس تو اس پر ہے کہ یہاں چیچنیا میں ابھی نہ کوئی رفاہی ادارہ اور اسلامی تنظیم ہے اور نہ ہی پہلے تھے۔ صرف "ریڈ کراس" کا ادارہ ہے جو کفار کا ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو اور اسلامی ممالک کو مجاہدین و مہاجرین کی مدد کرنے اور ان کی طرف توجہ کرنے کی تاکید کرتے ہیں۔ (بشکریہ : ضربِ مؤمن)

ہم بھی منہ میں زبان رکھتے ہیں

نعیم اختر عدنان

☆ سارے مارشل لاء نظریۂ ضرورت کے تحت لگے۔ (ایک جریدے کا تبصرہ)

✪ ضرورت ایجاد کی ماں ہے!

☆ کلنٹن انتظامیہ کو فوجی حکومت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون ختم کر دینا چاہئے۔ (امریکی سینیٹر)

✪ امریکی سینٹ کے معزز رکن کے اس بیان سے بھارت اور نواز شریف دونوں خوش ہوں گے۔ گویا ایک پنتھ دو کاج۔

☆ جو فریضہ سنبھالا ہے اس کی تکمیل کے حوالے سے فیصلہ کروں گا کہ آیا مجھے بطور آرمی چیف ۲۰۰۱ء میں ریٹائر ہو جانا چاہئے۔ (پرویز مشرف کا بیان)

✪ جنرل صاحب ابھی ایسی ویسی باتیں کرنے کا وقت نہیں آیا۔

☆ نواز شریف کو پھانسی ہوئی تو پاک بھارت تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ (آئی کے گجرال)

✪ نواز شریف بھارتی لیڈروں کے ان بے تکے بیانوں پر جواب آں غزل کہہ سکتے ہیں کہ : مجھے میرے بھارتی دوستوں سے بچاؤ۔

☆ اقوام متحدہ مشرقی تیمور کی طرح مقبوضہ کشمیر میں بھی ریفرنڈم کرائے۔ (آزاد کشمیر کابینہ)

✪ تجویز تو اچھی ہے مگر مشرقی تیمور میں عیسائی آبادی تھی اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمان! بس اتنا سا فرق ہے۔

☆ اقوام متحدہ کی طرف سے افغانستان پر پابندی کا فیصلہ' ایران نے افغانستان سے ملحقہ سرحد کھول دی۔ (ایک خبر)

✪ "خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر۔ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے"۔

☆ طیارہ کیس کے حوالے سے رانا مقبول احمد کی ایس ایچ او سے ناراضگی!

✪ سابق آئی جی خود کو غالباً اب بھی آئی جی سمجھ رہے ہیں۔

☆ میرے والد اور دیگر اہل خانہ کی سلامتی یقینی بنائی جائے۔ (حسین نواز کی عالمی اداروں سے اپیل)

✪ اپنے اصل آقاؤں کی طرف رُخ کرنا "دانشمندی" کی بات ہے۔

☆ نواز شریف افسردہ اور پریشان ہیں۔ (رکن برطانوی پارلیمنٹ چوہدری سرور کا انکشاف)

✪ اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

☆ پی آئی اے نے عمرہ کے لئے کرایہ بڑھا دیا۔ (ایک خبر)

✪ یہ "غنڈہ گردی" ہر سال کی جاتی ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ امریکہ میں مقیم دینی مزاج رکھنے والے ۲۷ سالہ کمپیوٹر انجینئر کے لئے دینی گھرانے سے تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ مطلوب ہے۔

☆ ☆ ☆

☆ امریکہ میں مقیم ۲۷ سالہ راجپوت بی ایس ایس (UET)' ایم ایس (امریکہ) کمپیوٹر انجینئر کے لئے دینی گھرانے سے تعلیم یافتہ لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ : ڈاکٹر غلام رسول

16۔ مسلم کالونی' شالیمار لنک روڈ باغبان پورہ لاہور

فون : 6824416

☆ لاہور میں مقیم اعلیٰ عہدے پر فائز دیانت دار سرکاری ملازم کی بیٹی ایم ایس سی (ریاضی)' عمر ۲۲ سال کیلئے نیک اور برسرروزگار رشتہ مطلوب ہے۔

رابطہ : پروفیسر م۔ ی ۷۹۔ بی جوہر ٹاؤن لاہور

فون : 5301537

☆ تنظیم اسلامی اسلام آباد کے ۲۹ سالہ رفیق' تعلیم میٹرک' ذاتی کاروبار' ذات ارائیں کیلئے باپردہ گھرانے سے رشتہ مطلوب ہے۔ اسلام آباد اور قرب وجوار میں رہنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ : پروفیسر غلام رسول غازی

بی۔ 17 قائد اعظم یونیورسٹی کالونی اسلام آباد

فون : 206012

☆ ۲۶ سالہ بیٹی' سکول ٹیچر' تعلیم بی اے' بی ایڈ کے لئے مناسب برسرروزگار رشتہ مطلوب ہے۔ ذات پات کی کوئی قید نہیں۔

رابطہ : شمس الحق اعوان' ناظم حلقہ پنجاب شمالی

20/1 فیض آباد ہاؤسنگ سکیم' اسلام آباد

کاروانِ خلافت منزل بہ منزل

تنظیم اسلامی راولپنڈی کینٹ کی دعوتی سرگرمیاں

راولپنڈی کینٹ نے اپنے رفقاء کی تربیت اور مقامی پروگراموں کی رپورٹوں اور اطلاعات پر مبنی ایک خبرنامہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ یہ تجربہ انتہائی کامیاب رہا اور اسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں اللہ کے فضل و کرم سے راولپنڈی کے تمام پروگرام شیڈول کے مطابق منعقد ہوئے۔ تربیتی اور تنظیمی میٹنگز میں حاضری سو فیصد رہی۔ درس قرآن کی محافل بھی شیڈول کے مطابق منعقد ہوئیں۔ اسرہ علامہ اقبال کالونی کے رفیق ڈاکٹر عمر علی خان صاحب کی انفرادی کوششوں سے افشاں کالونی میں خواتین کے درس قرآن کا اہتمام کیا گیا جو کہ انتہائی کامیاب رہا۔ اس علاقے کی خواتین نے خواہش ظاہر کی کہ ایسے دروس کا اہتمام ہوتے رہنا چاہئے۔

گزشتہ دو ماہ کے دوران راولپنڈی کینٹ کے تین رفقاء ذہنی صدمات سے دوچار ہوئے۔ اسرہ ٹنچ بھاٹہ کے رفیق جناب ساجد صاحب کے والد صاحب کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا۔ اسرہ کمال آباد کے رفیق جناب اختر احسن صاحب کی والدہ انتقال کر گئیں۔ اسرہ علامہ اقبال کالونی کے نقیب شادمان صدیقی کے نوجوان بھانجے کا ٹریفک کے ایک المناک حادثے میں ۴/اکتوبر کو انتقال ہو گیا۔ تمام رفقاء سے گزارش ہے کہ وہ مرحومین کی بخشش اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا فرمائیں۔ رمضان المبارک کی آمد کے پیش نظر اس ماہ خصوصی پروگرام ترتیب دیئے گئے ہیں۔ اسرہ ٹنچ بھاٹہ اور اسرہ کمال آباد نے مشترکہ طور پر نومبر کے پورے مہینے میں چار مختلف مقامات پر دروس قرآن کا پروگرام بنایا۔ اس کے علاوہ بیس قرآن لیکچرز کا اہتمام بھی کیا گیا ہے جو کہ یکم رمضان سے بیس رمضان تک سہ پہر دو بجے سے تین بجے تک الہدیٰ ماڈل سکول نزد نرالا سویٹ ہاؤس ٹنچ بھاٹہ میں منعقد ہوں گے۔ اس طرح بیس قرآنی لیکچرز بعد نماز عشاء و تراویح افشاں کالونی میں منعقد ہوں گے۔

(رپورٹ : ابو عثمان)

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا دورۂ کراچی

ماضی میں شام الہدیٰ کے نام سے کراچی میں ہرماہ دروس قرآن کے پروگرام ہوا کرتے تھے' جن میں اہل کراچی کی ایک بڑی تعداد شریک ہوا کرتی تھی۔ ابھی حال ہی میں جب امیر محترم نے ہرماہ کراچی تشریف آوری کا عندیہ دیا تو طے کیا گیا کہ اس پروگرام کا دوبارہ اجراء کیا جائے۔ لہٰذا امیر محترم جب ۶/نومبر کو کراچی تشریف لائے تو اسی شب ساڑھے آٹھ بجے ایف ٹی سی آڈیٹوریم میں یہ پروگرام رکھا گیا۔ غیر یقینی ملکی صورت حال کے پیش نظر اس پروگرام کی بھرپور تشہیر نہ ہو سکی۔ صرف اخبارات میں ایک اشتہار دیا گیا اور تقریباً ایک ہزار دعوت نامے لوگوں تک پہنچائے گئے' لیکن الحمدللہ اس کے باوجود حاضری اتنی بھرپور رہی کہ آڈیٹوریم میں جگہ تنگ پڑ گئی۔ خواتین کیلئے آڈیٹوریم کے باہر باپردہ شرکت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ خواتین کیلئے مخصوص جگہ بھی اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتی نظر آئی تو اس میں فوری طور پر وسعت کا اہتمام کیا گیا۔ تقریباً چھ سو مرد اور ایک سو سے زیادہ خواتین نے شرکت کی۔ امیر محترم نے سورۃ انشقاق کا درس دیا۔ اگلے روز امیر محترم نے تنظیم کے بزرگ رفیق جناب نجیب صدیقی صاحب کے بھانجے جناب اسرار الحق صدیقی صاحب رفیق تنظیم اسلامی کراچی ضلع وسطی نمبرا کے عقد نکاح کے موقع پر بعد نماز مغرب خطبہ نکاح ارشاد فرمایا۔ محترم نجیب صدیقی صاحب' جو ایک طویل عرصے سے صاحب فراش ہیں اور جنہیں ہفتہ میں تین بار ڈائی لائسس کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے' اپنے صاحبزادوں کے سہارے نیو کراچی کی مسجد اہلحدیث میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ خطبہ نکاح کے بعد امیر محترم سے ان کی ملاقات ہوئی۔ امیر محترم کی مزاج پرسی پر مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ڈائی لائسس کی پٹڑی پر زندگی کی گاڑی چل رہی ہے۔ واپسی میں امیر محترم ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق اور قائم مقام امیر حلقہ محترم اختر ندیم صاحبان کے ہمراہ تنظیم اسلامی کراچی ضلع وسطی نمبر۲ کے نئے دفتر تشریف لے گئے جو یاسین آباد میں واقع ہے۔ یہاں مقامی امیر جناب جلال الدین اکبر صاحب نے تمام رفقاء کا امیر محترم سے تعارف کروایا۔ امیر حلقہ محمد نسیم الدین صاحب بھی تشریف لے آئے۔ موصوف' جو ان دنوں امیر محترم کی ہدایت پر رخصت پر ہیں' امیر محترم کے تقریباً تمام پروگراموں میں شریک رہے۔ بعد از تعارف امیر محترم نے رفقاء سے مختصر خطاب فرمایا اور نئے رفقاء سے بیعت لی۔ پروگرام کے بعد عشائیہ کا اہتمام تھا۔ ۸/نومبر بعد نماز عشاء امیر محترم کا خطاب کورنگی کے ایریا گرلز اسکول گراؤنڈ میں منعقد ہوا۔ تقریباً چار سو افراد شریک ہوئے۔ امیر محترم نے فرمایا کہ انسان مشقتوں میں پیدا کیا گیا ہے' لیکن اس کا المیہ یہ ہے کہ ان مشقتوں کو جھیلنے کے بعد جب وہ دنیا سے گزر جاتا ہے تو آخرت میں اسے پانچ سوالوں کے جواب دینے پڑتے ہیں جن پر اس کی دائمی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہوتا ہے۔ دنیا میں جو مشقتیں انسان اٹھاتا ہے اس کے عموماً تین رخ ہوتے ہیں' اولاً انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں۔ جنہیں عرف عام میں روٹی کپڑا اور مکان سے متعلق سمجھا جاتا ہے۔ ان کے حصول کیلئے مشقت کے بارے میں کسی کو کسی ترغیب کی ضرورت نہیں۔ دوسرا مسئلہ اس ملک و قوم کا ہے جس سے اس کا تعلق ہے یا پھر وہ دین جس سے وہ تعلق رکھتا ہے' پاکستان کی منزل اسلام ہے' لہٰذا دین کیلئے مشقت ہی ملک کیلئے کفایت کر جاتی ہے۔ دین اپنا غلبہ چاہتا ہے اور حضورؐ کی پیشین گوئیاں موجود ہیں کہ قیامت سے پہلے اسلام کا عالمی غلبہ ہونا ہے۔ لہٰذا اس کیلئے جدوجہد ہی ہماری زندگی کا نصب العین ہونا چاہئے۔ ۹ نومبر کو قرآن اکیڈمی میں رفقاء و رفیقات کے ساتھ امیر محترم کی ایک خصوصی نشست منعقد ہوئی۔ امیر محترم نے رفقاء و رفیقات کے مختلف موضوعات پر سوالوں کے جوابات دیئے۔ ۱۰/نومبر کی صبح امیر محترم ناظم اعلیٰ کے ہمراہ سکھر روانہ ہو گئے۔ ان مصروفیات کے علاوہ امیر محترم نے ۷ اور ۹ نومبر انجمن خدام القرآن سندھ کے دو اجلاسوں میں بھی شرکت فرمائی۔ (رپورٹ : محمد سمیع)

تنظیم اسلامی سکھر کے زیر اہتمام جلسۂ عام

سکھر اور تنظیم اسلامی کے رفقاء کے بے حد اسرار پر ۱۰/نومبر ۱۹۹۹ء بروز بدھ بعد نماز مغرب امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا خطاب عام بمقام ریلوے آفیسر کلب میں منعقد ہوا۔ جو ایک بہت بڑے جلسہ کی شکل اختیار کر گیا۔ اجتماع کی صدارت امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فرمائی۔ اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ تلاوت و ترجمہ قاری حمداللہ صاحب نے فرمائی۔ اس کے بعد امیر تنظیم اسلامی سکھر جناب جی ایم سومرو صاحب نے استقبالیہ کلمات کے ساتھ ساتھ سیاسی جبر و استبداد اور معاشی ظلم و استحصال کے خلاف نہی عن المنکر کے حوالے سے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد صدر مجلس جناب ڈاکٹر اسرار احمد نے "اسلامی انقلاب کیسے آئے گا؟" کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ اس کے علاوہ روز مرہ حالات زندگی پر بھی سیر حاصل خطاب فرمایا۔ آپ نے تقریباً ڈھائی گھنٹے تقریر فرمائی۔ اجتماع میں شامل چھ سو معززین شہر اور تقریباً ۸۰ خواتین کے لئے علیحدہ اہتمام کیا گیا تھا۔ اجتماع میں خواتین و حضرات نے جس نظم و نسق کا مظاہرہ کیا اس کی تعریف ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں بھی کی۔ اس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ رات گیارہ بجے سوال و جواب کی نشست اختتام پذیر ہوئی۔ اس نشست میں تقریباً ڈھائی سو خواتین و حضرات نے شرکت فرمائی۔ (رپورٹ : محمد ساجد)

امیر تنظیم ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

شیعہ سنی مفاہمت کی ضرورت و اہمیت

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور
سی پی ایل نمبر: 127
جلد 8' شمارہ 45
سالانہ زرِتعاون -/175 روپے

پبلشر: محمد سعید اسعد طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : مکتبہ جدید پریس ۔ ریلوے روڈ' لاہور
مقام اشاعت : 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور
فون : 5869501-03

معاونین برائے مدیر :
○ فرقان دانش خان ○ مرزا ایوب بیگ
○ نعیم اختر عدنان ○ سردار اعوان
نگران طباعت : شیخ رحیم الدین

اسرہ خار باجوڑ کا
ایک روزہ دعوتی پروگرام

اُسرہ خار باجوڑ کو حلقہ سرحد کی طرف سے ایک روزہ پروگرام کا شیڈول دیا گیا۔ تمام رفقاء نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی تگ و دو کی۔ پروگرام ۱۳/۱ اکتوبر کو مسلم باغ کے علاقے میں منعقد ہوا۔ ناظم ذیلی حلقہ ملاکنڈ ڈویژن مولانا غلام اللہ خان حقانی کو بطور خاص دعوت دی گئی تھی۔ مقررین میں جماعت اسلامی' اشاعت التوحید و السنہ اور جمعیت علماء اسلام کے زعماء کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ ڈگری کالج خار باجوڑ کے لکچرر عبدالرقیب صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ پروگرام کا آغاز ٹھیک نو بجے ہوا۔ فیض الرحمٰن نقیب اسرہ اور گل رحمان نے فرائض دینی کے جامع تصور' دین اور اقامت دین پر لکچر دیئے۔ بعد ازاں عبدالرقیب صاحب نے اقامت دین پر بات کی۔ آخری تقریر مولانا حقانی صاحب کی تھی۔ موضوع تھا منہج انقلاب نبوی ؐ ۔ آپ نے سامعین بالخصوص مختلف جماعتوں کے شرکاء کے سامنے حضورؐ کے انقلابی طریق کار کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا۔

اُسی روزہ آٹھ بجے صبح درس قرآن کا پروگرام ہوا۔ مولانا حقانی نے سورۃ العصر پر درس دیا۔ (رپورٹ : محمد نعیم)

تنظیم اسلامی میرپور کی ماہانہ شب بسری

اسلام ایک مکمل نظام زندگی ہے اور یہ زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی معاملات پر غالب ہونے کا تقاضا کرتا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ اسلام کو جانے بغیر اسے اپنایا نہیں جا سکتا۔ اسلام کو جاننے کا ذریعہ قرآن اور سنّت رسولؐ ہیں۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تنظیم اسلامی کے تحت ماہانہ شب بسریوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تنظیم اسلامی میرپور بھی ہر ماہ شب بسری کا اہتمام کرتی ہے چنانچہ دسویں شب بسری کا انعقاد ۳۰/ اکتوبر ۹۹ء مسجد دار السلام جی کے وسیع و عریض ہال میں کیا گیا۔ اکثر رفقاء اور احباب قبل از نماز مغرب تشریف لے آئے اور نماز مغرب کے بعد فوراً بعد پروگرام کا آغاز ہو گیا۔ تنظیم اسلامی کے مقامی امیر سید محمد آزاد صاحب نے ندائے خلافت کے شمارہ ۴۰ کے سرورق کی تحریر ”مغلوبیت حق کے دور میں ایک بندۂ مومن کا فرض“ کا اجتماعی مطالعہ کروایا۔ ازاں بعد سورۃ التغابن کے دوسرے رکوع کا درس بزبان امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد بذریعہ وڈیو سنایا گیا' جس میں ایمان حقیقی کے لوازم اور ثمرات نہایت جامعیت سے بیان ہوئے ہیں۔ امیر محترم کے اس ایمان افروز خطاب کو حاضرین نے پورے انہماک اور توجہ سے سنا۔ درس کے بعد اجتماعی کھانا اور پھر نماز عشاء تاخیر سے ادا کی گئی۔ بعد از نماز عشاء مقامی امیر نے درس حدیث دیا جس میں دو احادیث نبویؐ پر تفصیلی بیان ہوا۔ ایک حدیث کا عنوان تھا ”اللہ والے کون ہوتے ہیں“؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا :

> ”قرآن والے ہی اللہ والے ہیں اور وہی اللہ کے مقبول بندے ہیں جو قرآن کو ماننے کا حق ادا کرتے ہیں' شب و روز اس کی تلاوت کرتے ہیں' اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی پڑھاتے اور سمجھاتے ہیں' اس کے مطالب پر غور کرتے ہیں' اس کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالتے ہیں' خود قرآن پر عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کرتے ہیں۔ بلاشبہ قرآن والے ہی اللہ والے ہیں“۔

رات گیارہ بجے یہ تربیتی و دعوتی نشست ختم ہوئی اور حاضرین آرام کے لئے فارغ ہوئے۔ صبح چار بجے رفقاء و احباب تہجد کے لئے بیدار ہوئے۔ بعد نماز تہجد مسنون دعائیں یاد کرانے کا پروگرام تھا۔ بعد نماز فجر سورۂ زمر کے آخری رکوع کا درس سید محمد آزاد صاحب نے دیا۔

(رپورٹ : پروفیسر عطاء الرحمٰن صدیقی)

اعتذار

”ندائے خلافت“ کے بارے میں قارئین کی جانب سے موصول ہونے والی آراء و تجاویز پر مشتمل جامع رپورٹ بوجوہ زیر نظر شمارے میں شامل نہیں کی جا سکی۔ مدیر ندائے خلافت چونکہ شکاگو (امریکہ) میں ماہ رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کے پروگرام کے لئے عازمِ سفر ہو رہے ہیں اور ان کی واپسی اِن شاء اللہ اَواخر رمضان تک ممکن ہو سکے گی۔ لہٰذا مذکورہ رپورٹ ان کی واپسی پر ان کے تبصرے کے ساتھ شائع ہو گی۔ گویا جنوری سے اس رپورٹ کی روشنی میں ندائے خلافت میں ضروری تبدیلیاں لائی جائیں گی۔ قارئین کو انتظار کی مزید زحمت دینے پر ادارہ معذرت خواہ ہے۔

ان شاء اللہ العزیز

اس سال' جامع القرآن' قرآن اکیڈمی' ماڈل ٹاؤن لاہور میں

نمازِ تراویح کے ساتھ **دورۂ ترجمۂ قرآن مجید**

کی سعادت صدر مؤسس' مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور' و امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

خود حاصل کریں گے — نیز منگل ۷/ دسمبر کو — ساڑھے سات بجے شب

یعنی شعبان کی ۲۹ ویں شب **قرآن آڈیٹوریم** اتاترک بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن میں

جلسۂ استقبالِ رمضانِ مبارک

منعقد ہو گا۔ جس میں ڈاکٹر صاحب روزہ اور رمضان کے فضائل و حِکَم بیان کریں گے

المعلن : قمر سعید قریشی' ناظم اعلیٰ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (فون : 5869501-03)